پاگل
جبران خلیل جبران
ABDUL BASIT - SWL

ناشر : خورشید اے شیخ
ادارہ : رابعہ بک ہاؤس لاہور
تعداد : ایک ہزار
باراول : ۱۹۹۲ء
طابع : گنج شکر پرنٹرز لاہور

قیمت - 18 روپے

فہرست

پاگل یوحنّا

گرمی کے موسم میں یوحنا نور کے تڑکے بیدار ہوتا، کاندھے پر ہل اٹھاتا بیلوں کی جوڑی کو ہانکتا ہوا اپنے کھیتوں کی طرف چل دیتا۔ پرندوں کی چہچہوں اور درختوں کی ٹہنیوں اور کھیتوں کی سرسراہٹ سے اس کے دل میں بڑی مقدس امنگ بیدار ہوتی۔

دوپہر کے وقت ایک ندی کے کنارے کھانے کے لیے بیٹھ گیا۔ یہ ندی ہری ہری گھاس کے میدان میں سے ہوکر گزرتی تھی۔ اس نے روٹی کے چند ریزے اِدھر اُدھر پھینکے تاکہ اس کے ہمنوا پرندے بھی لطف اندوز ہوسکیں۔

شام ہوئی تو وہ اپنی حقیر سی کٹیا کی طرف لوٹا جو شمالی لبنان میں گاؤں کی آبادی سے ہٹ کر بنائی گئی تھی۔

شام کے کھانے کے بعد وہ اپنے ماں باپ کے قریب جا بیٹھتا جو ماضی کے عجیب وغریب قصے بیان کرتے، اسی دوران میں اس پر نیند غلبہ کر لیتی اور وہ سو جاتا۔

سرما کے موسم میں وہ آتشدان کے قریب بیٹھ کر اپنے دن گزارتا۔ ہواؤں کی چیخ و پکار اور عناصر کے شور و شیون پر غور کرتا۔ موسم کی مظہریت کے متعلق سوچتا۔ برف سے لدی ہوئی وادیوں اور ننگ دھڑنگ درختوں کو کھڑکی میں سے دیکھتا اور یہ محسوس کرتا کہ اس زمہریری سردی اور تند و تیز برفانی ہوا کے جبڑوں میں لاکھوں انسان بے بس ہو کر سمٹے ہوئے ہیں۔

سرما کی طویل راتوں میں وہ بیدار رہتا جب اس کے ماں باپ سو جاتے تو وہ پرانی سی لکڑی کی صندوقچی کھولتا اور ٹمٹماتے ہوئے چراغ کی مدھم سی روشنی میں انجیل کا مطالعہ کرتا۔

پادریوں نے اس کتاب کے مطالعہ کے خلاف حکم امتناعی جاری کر رکھا تھا۔ اس لیے یوحنا بڑی رازداری کے ساتھ اس کتاب کا مطالعہ کرتا۔ انہوں نے سادہ لوح لوگوں کو آگاہ کر دیا تھا کہ اگر کوئی شخص اس کتاب کا مطالعہ کرے گا یا مقدس کتاب کسی شخص کے قبضے سے برآمد ہوئی تو اسے مذہب سے خارج کر دیا جائے گا۔

یوحنا خاموش طبع اور متین نوجوان تھا، وہ خاموشی سے اپنے ماں باپ کی باتیں سنتا اور کبھی۔ ایک لفظ تک نہ کہتا اور نہ ہی کبھی کوئی سوال کرتا۔

یوحنا نے اپنی جوانی کے ایام خدا کی حسین دنیا اور انجیل کے جذبات کے درمیان بسر کئے اور اسی طرح اسے سچائی اور روشنی نصیب ہوئی۔

جب وہ اپنے ہمجولیوں میں بیٹھتا تو وہ افق پر نگاہیں جما دیتا اور اس کے خیالات ان نگاہوں سے بھی دور کہیں مرکوز ہو جاتے۔

وہ جب بھی گرجے میں جاتے تو وہ بڑا مایوس اور شکستہ خاطر ہو کر گھر لوٹتا کیونکہ پادریوں کی تعلیمات مقدس کتاب کے فرمانوں سے بالکل مختلف تھی اور پیروؤں کی وہ زندگی نہیں تھی جس کا حسین نقشہ مسیح نے کھینچا ہے۔

موسم بہار کا آغاز ہوا، کھیتوں اور وادیوں میں برف پگھل گئی۔ پہاڑیوں کی چوٹیوں پر بھی برف پگھلنے لگی اور چھوٹی چھوٹی ندیاں سی بن کر وادی میں اترنے لگیں اور یہ ندیاں مل کر ایک بڑی ندی کی شکل میں بدل گئیں اور اس ندی کے شور کی گونج وادی میں پیدا ہوئی اور یوں محسوس ہونے لگا کہ قدرت نے انگڑائی لی ہے۔ بادام اور سیب کے درخت پھولوں سے لد گئے۔ بید مجنوں کے درخت کے خوشنما شگوفوں سے فضا رنگین ہو گئی۔ گاؤں کی ساری فضایں قدرت نے اپنا بہجت افزا رنگ پھیلا دیا تھا۔

یوحنا سرما کے دنوں میں آگ کے سامنے متواتر بیٹھے رہنے سے تنگ آچکا تھا۔ بہار کے آغاز ہی سے اس نے اپنے بیلوں کی جوڑی کو کھولا اور انجیل کو اپنے لبادے میں چھپا کر اپنے کھیتوں کی طرف چل دیا۔ اس نے اپنے بیلوں کو درختوں کے جھنڈ کے قریب روک لیا۔ قریب ہی حضرت الیاس کے راہب خانہ کے کھیت تھے، یہ راہب خانہ ایک پہاڑی پر اپنی عظمت و شوکت کے ساتھ نظر آرہا تھا۔

بیلوں نے کھیتوں میں چرنا شروع کر دیا تو یوحنا انجیل کے مطالعہ میں منہمک ہو گیا۔ وہ یہ سوچنے لگا کہ خدا کی مخلوق کس قدر دکھ میں مبتلا ہے اور خدا کی سلطنت

کا حسن کس طرح بدصورتی میں بدلا جا رہا ہے۔

"لنٹ" کے ایام کا آخری دن تھا اور لوگ "ایسٹر" کے تہوار کے منتظر تھے اور مقدس پادریوں نے حکم جاری کر رکھا تھا کہ ان دنوں کوئی شخص گوشت نہ کھائے۔

یوحنا بھی دوسرے لوگوں کی طرح غریب تھا۔ اس کے نزدیک "لنٹ" اور دوسرے دنوں میں کوئی فرق نہیں تھا۔ اس کی زندگی کے دن صرف روکھی روٹی پر گزرتے تھے۔ وہ لخت جگر کھاتا اور خون جگر پیتا۔

روحانی غذا اس کی زندگی میں روشنی پیدا کر رہی تھی۔ وہ انسان کے اس المیہ پر غور کرتا جو وہ دیکھ رہا تھا اور یہی اس کی غذا تھی!!

پرندے اپنے گیت میں مصروف تھے اور فاختاؤں کا ایک جھنڈ ادھر سے ادھر پرواز کرتا ہوا گزر رہا تھا۔ ٹھنڈی ہوا کا ایک جھونکا آیا اور پھولوں کے پودے اچانک لہلہانے لگے۔ ان کی حرکت سے فضا میں شادمانی کی لہر دوڑ گئی۔

یوحنا انجیل کے مطالعہ میں منہمک تھا۔ روحانی جذبات اس پر غالب آ چکے تھے۔ اس نے دیہات کے گرجوں میں گھنٹے کی آواز سنی اور اس کے بعد اس نے اپنی آنکھیں بند کر لیں اور اس کی آنکھوں کے سامنے بیت المقدس کا نقشہ آگیا۔ کئی ہزار برس پہلے کا واقعہ ۔ ۔ ۔ ۔

کیا مسیح یہاں سے گزرا تھا اور خیال ہی خیال میں اسے جواب ملا؛

"ہاں مسیح نے یہاں کوڑھیوں کو شفا بخشی اور اندھوں کو روشنی عطا کی اور یہ وہ جگہ ہے جہاں لوگوں نے اس کے لیے کانٹوں کا تاج بنایا اور پھر اس کے

سر پر رکھ دیا۔

اسی ایوان کے نیچے کھڑے ہو کر اس نے بڑی حسین حکایتیں بیان کیں لیکن لوگوں نے اسے محل کے مرمریں پتھروں سے باندھ کر ذلیل کیا۔ یہی وہ سڑک ہے جس پر چلتے ہوئے اس نے ایک زانیہ کے گناہوں کو بخش دیا اور یہ وہ جگہ ہے جہاں وہ صلیب کے بوجھ سے گر پڑا۔''

ایک گھنٹہ اسی طرح گزر گیا اور یوحنّا اپنے خدائے قدوس کے قریب میں پہنچ کر ایک خاص قسم کی جسمانی اذیت لیکن روحانی عظمت محسوس کرنے لگا۔

آفتاب سر پر آ گیا اور یوحنّا کے بیل اس کی نگاہوں سے اوجھل ہو گئے۔ اس نے ہر طرف نگاہ دوڑائی لیکن بیل کہیں نظر نہ آئے۔ وہ نقش پا کو دیکھتا ہوا کھیتوں میں پہنچ گیا اور اس نے ایک شخص کو مرغزار میں کھڑے دیکھا۔ نزدیک پہنچا تو اسے معلوم ہوا کہ یہ شخص تو صومعہ کا ایک راہب تھا۔ یوحنّا نے بڑی تعظیم سے جھک کر سلام کیا اور پوچھا۔

''جناب عالی! کیا آپ نے اس طرف میرے بیل تو نہیں دیکھے۔؟''

راہب نے غصے کو دباتے ہوئے کہا۔

''ہاں، میں نے دیکھے ہیں، میرے پیچھے آؤ میں تمہیں دکھاؤں کہاں ہیں۔

جب وہ صومعہ میں پہنچے تو یوحنّا نے دیکھا کہ اس کے دونوں بیل ایک چھپّر کے نیچے بندھے ہوئے ہیں۔ ایک راہب کھڑا پہرہ دے رہا ہے اور جب بھی کوئی اِدھر اُدھر حرکت کرتا ہے تو زور سے اس کی پیٹھ پر ڈنڈا مارتا ہے۔

یوحنّا دیوانہ وار اپنے بیلوں کی طرف لپکا تاکہ ان بے زبان جانوروں کو نجات دلائے لیکن راہب نے اس کے لبادے کو کھینچ کر تھام لیا۔

پھر اس نے صومعہ کی طرف منہ پھیرا اور بلند آواز سے کہا:

"مجرم گڈریا ادھر آگیا ہے۔ میں اسے ادھر لے آیا ہوں۔"

پجاری اور راہب فوراً باہر نکل آئے۔ بڑا پجاری ان کے آگے تھا انہوں نے یوحنّا کو گھیر لیا اور وہ بہت پریشان ہوا اور یوں سمجھنے لگا کہ وہ کوئی بہت بڑا قیدی ہے۔

یوحنّا نے بڑے پادری سے کہا۔

حضور! میں نے کوئی ایسا جرم نہیں کیا کہ مجھ [illegible] کی طرح سلوک کیا جائے۔

بڑے پادری نے غضبناک ہو کر کہا۔

"تمہارے بیلوں نے ہمارے کھیتو [illegible] برباد کیے اور انگور کی بیلیں بھی مسل ڈالیں۔ اس نقصان کے ذمہ دار تم ہو [illegible] اس لیے جب تک تم اس نقصان کی تلافی نہیں کرو گے تمہارے بیل [illegible] واپس نہیں دیں گے۔

یوحنّا نے التجا کی [illegible] غریب ہوں۔ میرے پاس روپیہ پیسہ نہیں، ازراہ کرم میرے بیلوں کو چھوڑ دیجئے، میں اپنی عزت کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ آئندہ اس طرف بیلوں کو کبھی نہیں آنے دوں گا۔

بڑا پجاری آگے بڑھا اور اس نے آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا کر کہا:

"خدا نے ہمیں اس صومعہ کی تمام اراضی کی رکھوالی کے لیے مقرر کیا ہے اور یہ ہمارا فرض ہے کہ ہم اپنی پوری طاقت کے ساتھ اس زمین کی حفاظت کریں

یہ مقدس سرزمین ہے اور جو بھی اس پر گزرنے کی خلاف ورزی کرے گا وہ زندہ جل کر راکھ ہو جائے گا۔ تم نے خدا کا گناہ کیا ہے اور اگر تم نے اس کا کفارہ ادا نہ کیا تو اس مقدس سرزمین کی گھاس جو بیلوں نے کھائی ہے وہ گھاس زہرین کر تمہارے بیلوں کو نابود کر دے گی۔

بڑا پادری یہ بات کہنے کے بعد رخصت ہونے لگا لیکن یوحنا نے اس کے لبادے کو تھاما اور منت درازی سے کہا۔

میں حضرت مسیح اور تمام پیغمبروں کا واسطہ دے کر آپ سے یہ عرض کرتا ہوں کہ میرے بیل آزاد کر دو، مجھ پر رحم کرو۔ میں بڑا غریب ہوں اور آپ کے صومعہ کی تجوریاں تو سونے اور چاندی کی لنٹوں سے بھری ہوئی ہیں۔ میرے بوڑھے ماں باپ پر رحم کرو، میں ان کا سہارا ہوں۔ اگر میں نے آپ کو دکھ پہنچایا ہے تو خدا مجھے ضرور معاف کر دے گا۔

بڑے پادری کی آنکھوں سے شرارے باہر نکلے۔

تم غریب ہو یا امیر ہمیں اس سے کوئی تعلق نہیں۔ صومعہ تمہیں معاف نہیں کر سکتا، تمہیں یہ فرض ادا کرنا ہی ہوگا۔ تین دنیار ادا کرو، تمہارے بیل ابھی رہا کر دیتے ہیں۔

یوحنا نے درخواست کی۔

مقدس باپ! میرے پاس تو ایک کوڑی بھی نہیں، ایک غریب چرواہے پر رحم کیجئے۔

اور بڑے پجاری نے تڑاخ سے جواب دیا۔

پھر ایسا کرو اپنی کوئی چیز فروخت کر دو، اس طرح تمہیں تین دینار مل جائیں۔ اگر تمہارے پاس کوئی چیز نہ رہے تو تم جنت میں داخل ہو سکتے ہو۔ لیکن اگر حضرت الیاس ناراض ہو گئے تو پھر تمہیں جہنم کے نچلے درجے میں جانا پڑیگا۔

دوسرے راہبوں نے اس طرح سر ہلایا گویا کسی معرفت کی بات کا انکشاف ہوا ہے۔

ایک دفعہ کی خاموشی کے بعد یوحنا کا چہرہ تمتما اٹھا اور آنکھوں میں ایک ایسی چمک پیدا ہوئی گویا خوف اور کمتری کا احساس اس کے دل سے بالکل مفقود ہو چکا ہے۔

اس نے اپنا سر بلند کیا اور بڑے پادری کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہنے لگا۔

"کیا غریب اور کمزور لوگوں کا فرض یہی رہ گیا ہے کہ وہ اپنی چیزوں کو فروخت کر ڈالیں جن کے ذریعے وہ روٹی کماتے ہیں محض اس لیئے کہ تمہارے راہب خانے کے زر و جواہرات میں اضافہ ہو؟ کیا انصاف اسی کا نام ہے کہ غریبوں پر ظلم ڈھایا جائے اور ان کا خون چوس کر انہیں بالکل قلاش بنا دیا جائے۔ تاکہ تمہارا حضرت الیاس ان بے گناہ اور بے زبان حیوانوں کا ناکردہ گناہ معاف کر دے؟۔"

بڑے پادری نے اپنی آنکھیں آسمان کی طرف اٹھائیں اور کہا:

"یہ بات مقدس کتاب میں درج ہے کہ جس کے پاس مال زیادہ ہو ہم اس کے مال میں اضافہ کریں گے اور جس کے پاس کچھ نہیں اسے

غریب بنادیں گے"

جب یوحنا نے یہ الفاظ سُنے تو اس کے تن بدن میں آگ لگ گئی۔ اس نے اپنی اندرونی جیب سے اس طرح انجیل نکالی جس طرح ایک سپاہی اپنے دشمن پر وار کرنے کے لیے تلوار میان سے باہر نکالتا ہے۔ اس نے چلا کر کہا :

اے ریاکار انسان! تم اسی طرح مسیح کی تعلیمات کو توڑ موڑ کر پیش کیا کرتے ہو۔

تم اسی طریقے سے انسان کی مقدس ترین روایات اور روحانی دولت کو غلاظت میں پھینک کر اپنی برائیوں کو نشر کرتے ہو۔

اے بدبخت انسان! یاد رکھو وہ دن دور نہیں جب بڑا انسان پھر اس دنیا میں آئے گا اور تمہارے اس راہب خانے کو برباد کر کے اس کے ملبے کو وادی میں پھینک دے گا۔ وہ اس معبد کو نذرِ آتش کر کے راکھ کا ڈھیر بنا دے گا۔

تمہارا حشر کیا ہو گا جب "روحانی انسان" یہاں آیا اور وہ تمہیں بدترین پستیوں میں پھینک دے گا۔ طمع کے بتوں کی پوجا کرنے والو! تم حد سے زیادہ ظالم ہو۔ تم اپنے سیاہ لبادوں کے نیچے اپنے مکروہ خیالات کو چھپائے ہو۔

مسیح کے دشمنو! تم کتنے بدکردار ہو۔ تمہارے ہونٹوں پر دعائیں ہیں لیکن تمہارے دل انتہائی حرص سے لبریز ہیں۔

لعنت ہو تم پر، تمہارے جسم تو عید کے چبوترے پر جھک جاتے ہیں
لیکن تمہاری روحیں خدائے قدوس کے خلاف سرکشی کرتی ہیں۔
تم مجھے سزا دے کر اپنی روحوں کو اور بھی ناپاک بنا رہے ہو۔
میں نے مسیح کے نام پر تم سے رحم کی التجا کی اور تم نے میرا مذاق اڑایا۔
یہ مقدس کتاب میرے ہاتھ میں ہے۔ بتاؤ ان مسکراتے ہوئے راہبوں
کو بتاؤ کہ کہاں مسیح نے یہ کہا ہے کہ تم معاف نہ کرو۔
پڑھتے کیوں نہیں۔ ۔ ۔ ۔ اپنے ان بے دماغ چیلوں کو بتاؤ کہ کیا
مسیح نے کبھی رحم و عفو سے انکار کیا ہے؟ خواہ روح القدس نے یہ باتیں
معبد میں کہیں یا کلمۃ کوہ پر ۔ ۔ ۔ ۔
کیا اس نے زانیہ کے گناہوں کو بالکل معاف کر دیا تھا؟ کیا اس
نے انسانیت کو آغوش میں لینے کے لیے صلیب پر ہاتھ نہیں پھیلا دیئے تھے؟
ان بدبختی کی آماجگاہوں کی طرف دیکھو جہاں غریب لوگ بیماریوں
میں مبتلا ہو کر زمین پر ایڑیاں رگڑ رہے ہیں ۔ ۔ ۔ ۔
زنداں کی سلاخوں کے پیچھے ایک نگاہ ڈالو جہاں بے گناہ انسان
ظلم و ستم کی سیاست کا نشانہ بن کر اپنے دن بسر کر رہے ہیں۔
اپنے ان خستہ حال پیروؤں کی طرف نہیں دیکھتے جو بھوک سے نڈھال
ہو چکے ہیں اور تم بے پروا ہو کر عیش و عشرت ہی کو زندگی سمجھتے ہو ۔ ۔ ۔ ۔
تمہارے کھیتوں میں انگوروں کی فراوانی ہے اور تمہارے دلوں میں
کراہت اور بدظنی کے سوا کچھ بھی نہیں ۔ ۔ ۔ ۔

کبھی تم بیمار کا حال پوچھنے کے لیے اس کے گھر میں گئے ہو یا کبھی تم نے دکھی انسان کے زخم پر مرہم رکھا ہے۔؟ کبھی تم نے بھوکے انسان کو ایک روٹی دی ہے؟ کبھی تم نے مسافر کو پناہ دی ہے؟ کبھی تم نے اپاہج کو سہارا دیا ہے ـــ اور تمہاری حالت یہ ہے کہ تم نے ہمارے آباؤ اجداد کا خون چوس کر جو دولت جمع کی ہے اس سے اب بھی مطمئن نہیں ہو بلکہ افعی کے سر کی طرح اپنا ہاتھ پھیلاتے ہو اور جہنم کی دھمکیاں دے کر اس بیوہ کا آخری اثاثہ بھی چھین لینا چاہتے ہو جو اس نے اپنے جسم کو چور چور کر کے شبنہ روز محنت سے جمع کیا ہے یا اس بدقسمت انسان کی پونجی تم لوٹ لینا چاہتے ہو جو اس نے اپنے بچوں کو زندہ رکھنے کے لیے صرف ایک دن کے لیے رکھی ہوئی ہے۔

یوحنا نے ایک گہری سانس بھری، پھر طمانیت انگیز لہجہ میں خاموشی سے یہ الفاظ کہے۔

"تم بہت سے ہو اور میں اکیلا... تم جو چاہو مجھ سے سلوک کر سکتے ہو۔ بھیڑیا رات کی تاریکیوں میں بھیڑ پر اپنا وار کرتا ہے لیکن خون کے دھبے تو وادی کے شفاف پتھروں پر باقی رہ جاتے ہیں۔ سورج کی پہلی کرن کے ساتھ وہ دھبے نظر آجاتے ہیں اور بھیڑیے کا جرم بے نقاب ہو جاتا ہے"

یوحنا کی باتوں میں سحر تھا، سارے راہب حیران ہو کر سنتے رہے لیکن اس کے دلوں میں غیض وغضب کا طوفان امڈ آیا تھا۔ راہب غصے میں اپنے سروں کو جنبش دے رہے تھے اور اس انتظار میں تھے کہ کب ان کا سردار انہیں حکم دے اور وہ اس چرواہے کو مار کر نیچے گرالیں۔

یہ مختصر سی خاموشی کا وقفہ بالکل ایسا ہی تھا جیسے اس طوفان کے بعد خاموشی طاری ہو جائے جس نے کئی باغات کو تہس نہس کر دیا ہو۔

آخر بڑے پادری نے اپنے راہبوں کو حکم دیا :

مجرم کو باندھ لو۔ مقدس کتاب اس سے چھین کر اسے اندھیری کوٹھڑی میں پھینک دو، وہ شخص جو خدائے قدوس کے نمائندے کی بے حرمتی کرتا ہے وہ تو اس جہاں میں کبھی بخشا جائے گا۔ اور نہ ہی قیامت کے دن..."

سارے راہب چرواہے پر لپکے اور اسے باندھ کر ایک اندھری سی کوٹھڑی میں پھینک دیا۔

یوحنا نے جس غیر فانی جرأت کا ثبوت دیا تھا۔ وہ ان لوگوں کی سمجھ میں نہیں آسکتی تھی جو اس غلام ملک کے فریب، دھوکا اور ظلم وستم کی تائید کر رہے ہیں اور جسے مشرق کے رہنے والے ورشام کی دلہن،، یا ،،تاج سلطانی کا موتی" کہہ کر پکارتے ہیں۔

اور اس تاریک کوٹھڑی میں یوحنا یہ سوچ رہا تھا کہ اس کے ہم وطنوں پر کس طرح ظلم وستم ڈھایا جا رہا ہے۔ یہ تجربہ ان کے لیے کافی تھا۔

غمگین سمدردی کی حامل ایک مسکراہٹ اس کے ہونٹوں پر نمودار ہوئی اس مسکراہٹ میں تلخی اور دکھ کا جذبہ نمایاں تھا۔

ایک ایسی مسکراہٹ جو دل کی گہرائیوں میں چیرتی ہوئی اتر جاتی ہے۔

———— ایک ایسی مسکراہٹ جو روح کے حلق میں پھنس کر ایک دلدوز خلش پیدا کرتی ہے۔

________ ایک ایسی مسکراہٹ جس کو تھامانہ جائے

تو وہ آنکھوں میں پہنچ کر بے چارگی کے عالم میں آنسو بن کر برس جاتی ہے۔

یوحنا فخریہ انداز میں کھڑا ہو گیا اور کھڑکی کی سلاخوں میں سے آفتاب کی کرنوں میں سے بھرپور وادی کو دیکھنے لگا۔

ایک روحانی مسرت اس کی روح پر چھا گئی اور ایک شیریں سی خاموشی اس کے دل میں جاگزیں ہوئی۔ انہوں نے اس کے جسم کو قید کر دیا تھا لیکن اس کی روح مرغزاروں اور پہاڑیوں پر ٹھنڈی ہوا کے ساتھ ساتھ پرواز کرنے لگی۔

مسیح کے لیے اس کے دل میں انتہاہ محبت موجود تھی اور اس میں کوئی تبدیلی پیدا نہ ہو سکی۔ اذیت پہنچانے والے ہاتھ اس کے دل تک نہیں پہنچ سکتے تھے۔

________ جو شخص سچائی کے پہلو میں کھڑا ہو جاتا ہے اسے کوئی اذیت نقصان نہیں پہنچا سکتی۔

________ کیا سقراط بڑے فخر کے ساتھ مرنے سے ہمکنار نہیں ہوا تھا؟

________ کیا سینٹ پال سچائی کی وجہ سے سنگسار نہیں کر دیا گیا تھا؟

یہ ہماری اندرونی شخصیت ہے کہ جس کی حکم عدولی بھی نقصان پہنچاتی ہے اور جس سے غداری بھی صحیح معنوں میں ابدی موت سے ہمکنار کر دیتی ہے۔

یوحنا کے ماں باپ کو مطلع کر دیا گیا کہ ان کا بیٹا قید میں ہے اور بیلوں کو ضبط کر لیا گیا ہے۔

یوحنا کی بوڑھی ماں لاٹھی ٹیکتی ہوئی صومعہ میں آئی۔ اس نے بڑے پادری کے پاؤں پر سر رکھ دیا اور پا بوسی کرتے ہوئے یہ التجا کی۔

"اے لاٹ پادری! میرے اکلوتے بیٹے کو رہا کر دو۔ وہ میرے بڑھاپے کا واحد سہارا ہے۔"

بڑے پادری نے آسمان کی طرف سر اٹھاتے ہوئے کہا۔

"تم تمہارے بیٹے کے پاگل پن کو تو معاف کر سکتے ہیں لیکن حضرت الیاس کبھی اس شخص کو معاف نہیں کریں گے جس نے ان کے ساتھیوں کو نقصان پہنچایا ہے"

بڑھیا نے ڈبڈبائی ہوئی نگاہوں سے پادری کی طرف دیکھا اور چاندی کا ایک تعویذ اپنے گلے سے اتار کر بڑے پادری کے ہاتھ میں دے دیا۔

"پادری صاحب! یہ تعویذ میرے لیے بڑا قیمتی ہے۔ جس روز میری شادی ہوئی میری ماں نے مجھے یہ چیز دی تھی۔ کیا یہ چیز لینے کے بعد آپ میرے بیٹے کو رہا کر دیں گے؟"

بڑے پادری نے تعویذ کی طرف دیکھا اور پھر اپنی جیب میں ڈال لیا اور پھر بڑھیا کی طرف دیکھا جو اس کے ہاتھ چوم چوم کر شکریہ ادا کر رہی تھی بڑا پادری کہنے لگا۔

کیسا برا زمانہ آ گیا ہے۔ لوگ انجیل مقدس کے غلط معنی سمجھ لیتے ہیں۔

بچے اپنے راستے سے بھٹک جاتے ہیں اور ماں باپ کو خمیازہ بھگتنا پڑتا ہے۔
نیک عورت! جاؤ خدا سے دعا کرو کہ تمہارے پاگل بیٹے کی بیماری دور ہو جائے ....."

یوحنّا کو آزاد کر دیا گیا، وہ خاموشی سے اپنی ماں کے ساتھ ساتھ جا رہا تھا۔
دونوں بیل اس کے آگے آگے چل رہے تھے۔

وہ اپنی حقیر سی کٹیا میں پہنچے، یوحنّا نے بیلوں کو اپنے تھان پر باندھدیا۔ اور خود کھڑکی کے نزدیک بیٹھ کر ڈوبتے ہوئے سورج کے خیال میں محو ہو گیا۔
چند لمحوں کے بعد اس نے اپنے باپ کی آواز سنی جو آہستہ آہستہ اس کی ماں سے کہہ رہا تھا۔

"میں نے کئی دفعہ تمہیں کہا کہ تمہارا یوحنّا پاگل ہے لیکن تم مانتی ہی نہیں تھیں اب تو یقین آیا، بڑے پادری صاحب نے بھی وہی بات کہہ دی جو میں برسوں سے کہہ رہا ہوں۔"
یوحنّا اسی طرح ڈوبتے ہوئے سورج کا تماشہ دیکھ رہا تھا۔۔

ایسٹر آیا اور اس وقت شہر بشیری میں جس میں ایک نئے گرجے کی عمارت مکمل ہو چکی تھی، خدا کی عبادت کے لیے یہ پر شکوہ عمارت بادشاہ کے محل کی طرح معلوم ہوتی تھی جو غریب رعایا کی جھونپڑیوں کے درمیان کھڑا ہو۔
غریب لوگ رئیس کلیسا کے استقبال کی تیاریوں میں مصروف تھے جو اس عمارت کی مذہبی رسم افتتاح ادا کرنے کے لیے وارد ہونے والے تھے بے شمار

لوگ سڑک پر دورویہ کھڑے ،،اسقفِ اعظم ،، کا انتظار کر رہے تھے، پجاریوں کے ہم آہنگ گیتوں اور گھنٹوں اور جلاجل کی آواز سے ساری فضا گونج رہی تھی۔
رئیس کلیا تشریف لے آئے، وہ ایک شاندار گھوڑے پر سوار تھے۔ جس کی زین پر زر وجواہرات جڑے ہوئے تھے۔
جب وہ گھوڑے سے نیچے اترتو شہر کے پادریوں اور سیاست والوں نے شاندار خیر مقدم کے سلسلے میں لمبے چوڑے سپاسنامے پیش کئے۔
اس کے بعد اسے معبد کے مقدس چبوترے کی طرف لے جایا گیا۔ جہاں اس نے مذہبی تقدس کو برقرار رکھتے ہوئے ایک شاندار لبادہ پہنا جس میں سونے اور چاندی کے تار تھے اور تابناک موتیوں اور ہیروں سے وہ چمک رہا تھا۔ اس نے طلائی تاج پہن لیا اور جواہرات سے لپیا ہوا عصائے کلیسائی ہاتھ میں لے کر مقدس چبوترے کا چکر کاٹنے لگا۔
اس کے پیچھے پیچھے دوسرے پادری تھے جنہوں نے شمعدان اور جلتے ہوئے لوبان کے تھال اٹھا رکھے تھے۔
اس وقت یوحنا بڑی محراب کے نیچے غریب عوام کی صف میں کھڑا تھا۔ اس کے دل میں ایک خاص ٹیس پیدا ہوئی۔ جب اس نے دیکھا کہ یہ مذہب کے نمائندے کس قدر قیمتی لباس، زر وجواہرات اور ظروف طلائی میں دولت برباد کر رہے ہیں اور وہ غریب عوام جو دور دور سے یہ تماشہ دیکھنے آئے ہیں وہ نان شبینہ سے بھی محتاج ہیں اور افلاس کی چکی میں دن رات پس رہے ہیں۔ ان کے پھٹے ہوئے لباس غمگین آنکھیں ان کے دل کی حالت بے نقاب کر رہی ہیں۔

امرا، وزرا کیلئے الگ صف بنائی گئی تھی جہاں وہ لباس فاخرہ پہنے اپنے سینوں پر خاص نشان لگائے بلند آواز سے دعائیہ گیت گا رہے تھے اور عقب میں غمزدہ دیہاتی اپنا سینہ پیٹ کر آنسو بہا رہے تھے اور ان کے ٹوٹے ہوئے دلوں کی گہرائیوں سے خلوص میں ڈوبی ہوئی دعائیں نمودار ہو رہی تھیں۔

اس مجمع کے رہنما اور قائد تو برگد کے پتوں کی طرح تھے ہمیشہ سر سبز رہتے ہیں اور ہجوم اس کشتی کے مانند تھے جس کا کھیون ہار ڈوب چکا ہو۔ چپو کم اور بادبان تیز و تند ہواؤں سے تار تار ہو چکے ہوں اور وہ ہولناک طوفان اور غضب ناک گہرائیوں کے رحم و کرم پر رہ گئی ہو۔

ظلم اور اندھا دھند اطاعت ۔۔۔۔ ان دونوں میں سے کون سا جذبہ دوسرے جذبے کی آفرینش کرتا ہے؟ کیا ظلم ایک ایسا درخت ہے جو نشیب میں جڑیں نہیں پھیلاتا؟ کیا اندھا دھند فرمانبرداری ایک ایسے اجاڑ کھیت کی طرح ہے جہاں سوائے کانٹوں کے اور کوئی چیز پیدا نہ ہوتی ہو؟۔

جب یہ عظیم الشان رسوم ادا کی جا رہی تھیں اس وقت یوحنا کے ذہن پر اس قسم کے خیالات طاری تھے۔

اس نے اپنے ہاتھ اپنے سینے پر بھینچ لیے کر عوام کی دردناک حالت کو دیکھتے ہوئے اور اس دنیا کی متضاد کیفیتوں کو محسوس کرتے ہوئے اس کا سینہ نہ پھٹ پڑے۔

اس نے انسانیت کے مرجھائے پھولوں پر ایک نگاہ ڈالی، ان پھولوں

کے دل سوکھ چکے تھے اور بیج ہوا میں اڑ کر زمین کے سینے سے پناہ لینے میں کوشاں تھے۔

جب یہ تماشا ختم ہو گیا اور ہجوم منتشر ہونے کی تیاری کر رہا تھا۔ یوحنّا نے یہ محسوس کیا کہ کوئی اندرونی طاقت اسے مجبور کر رہی ہے کہ وہ اس مظلوم مجمع کی طرف سے چند باتیں کہے۔

وہ جلدی جلدی قدم اٹھاتا ہوا ایک کنارے پر چلا گیا اور وہاں آسمان کی طرف ہاتھ بلند کر کے کہنے لگا۔

اے مسیح! تم روشنی کے مرکز بن بیٹھے ہو، میری بات سنو،

اس چرخ نیلی فام کے پردے سے جھانک کر اس زمین پر ایک نگاہ ڈالو اور یہ دیکھو کہ ان پھولوں کو کانٹوں نے کس طرح برباد کر ڈالا ہے جنہیں تم نے اپنی صداقت سے بویا تھا۔

اے عظیم الشان چرواہے! بھیڑیوں نے اس بھیڑ کو اپنے تیز دانتوں سے پھاڑ ڈالا ہے جسے تم اپنی گود میں اٹھائے پھرتے تھے۔

تمہارے دشمنوں نے اس اچھی زمین کو جنگ کی آماجگاہ بنا دیا ہے جہاں طاقتور کمزور کو تباہ کرتا ہے۔

———— وہ لوگ جو تمہارا نام لے کر چیختے ہیں وہ بدبخت بدحال اور غریب کی آہ و زاری کو سننے کے لیے تیار نہیں۔

———— جن لوگوں کو تم نے بھیڑیں بنا کر یہاں

بھیجا تھا وہ بھیڑیئے بن گئے ہیں اور تمہاری محبوب بھیڑ کو چیر پھاڑ کر رہے ہیں۔

———— روشنی بخشنے والے وہ الفاظ جو تمہارے دل کی گہرائیوں سے ہویدا ہوئے تھے مقدس کتاب میں سے خارج کر دیئے گئے ہیں۔

———— ان الفاظ کی جگہ ڈھول کا پول اور خوفناک شور و غوغا استعمال کیا جا رہا ہے تاکہ غریبوں کی روح میں لرزہ پیدا کیا جا سکے۔

اے مسیح! ان لوگوں نے صرف اپنی عظمت کا پرچم بلند کرنے کے لیے شاندار گرجے تعمیر کیے ہیں اور ان کو پگھلے ہوئے سونے اور حریری پردوں سے بھر دیا ہے۔

.... انہوں نے تیرے محبوب غریبوں کو زمہریری سردی میں پھٹے پرانے کپڑوں میں لرزہ براندام چھوڑ دیا ہے۔

———— وہ تیری ثنا کے گیت تو ضرور بلند آواز میں گاتے ہیں۔ لیکن بیوہ دیوں اور یتیموں کی آہ وزاری پر اپنے کان بند کر لیتے ہیں۔

اے زندہ جاوید مسیح! ایک بار پھر آؤ اور اپنے مقدس معبدوں سے اپنے مذہب کے ان خوانچہ فروشوں کو باہر نکال دو کیونکہ انہوں نے اس معبد کو ایک تاریک غار میں بدل دیا ہے جہاں فریب، ریاکاری اور دغا کے زہریلے سانپ رینگتے ہوئے نظر آتے ہیں۔

یوحنا کے الفاظ میں ایک خاص قوت تھی، سارے مجمع پر سناٹا سا طاری ہو گیا اور قائدین کی آمد بھی اس کے الفاظ کے دھارے کو نہ روک سکی۔

اس کی جرأت میں اضافہ ہوا اور اس نے سابقہ تجربے کی یادوں کی بنا پر کیا۔

اے مسیح .... آؤ .... اور ان غاصب "قیصر وکسرے"، کا اعمالنامہ دیکھ جنہوں نے کمزور دل کا حق غصب کر لیا ہے اور خدا کی املاک پر بھی وہ قابض ہو گئے ہیں۔

———— انگور کی وہ بیل جو تم نے اپنے داہنے ہاتھ سے بوئی تھی، طمع کے کیڑے اسے کھا چکے ہیں اور اس کے خوشے پاؤں تلے روندے جا چکے ہیں۔

تیرے امن کے فرزند آپس ہی میں سب کچھ بانٹ رہے ہیں اور اس کے لیے وہ آپس میں لڑتے ہیں اور غریب روحیں موسم خزاں کے کھیتوں میں تنہا کھڑی ہیں۔

تیرے معبد کے چبوترے کے سامنے وہ بلند آواز سے دعا کرتے ہیں۔ وہ خدا کی عظیم الشان ہستی بزرگ تر ہے۔ زمین پر امن رہے اور تمام انسانوں کی بھلائی ہو۔"

کیا آسمانوں میں خدا کی ہستی عظیم الشان ہو سکتی ہے جبکہ اس کا نام خالی دلوں گناہ سے لبریز ہونٹوں اور فریب انگیز زبانوں سے لیا جا رہا ہو؟۔

کیا اس سرزمین پر کبھی امن کا فرشتہ نظر آ سکتا ہے جبکہ افلاس اور مصیبت کے بیٹے کھیتوں میں غلاموں کی طرح کام کر رہے ہیں تاکہ طاقت ور ظالموں کا پیٹ بھریں؟

کیا امن کا فرشتہ کبھی اس سرزمین پر اتر کر ان غریبوں کو بربادی سے
بچا سکے گا۔

امن کیا ہے ؟
کیا یہ اس بچے کی ننگا ہوں میں نظر آتا ہے جو ٹوٹی پھوٹی جھونپڑی میں
اپنی ماں کی خشک چھاتی سے چمٹا ہوا ہے ؟
یا یہ اس بھوکے انسان کی کٹیا میں موجود ہے جو اینٹوں کے سنگین بستر
پر سو رہا ہو اور اس ایک لقمے کے لیے ترس رہا ہو جو پادریوں اور راہبوں
کے موٹے موٹے خنزیروں کے لیے افراط سے موجود ہے۔
اے خوبصورت مسیح ! خوشی کیا ہے ؟ کیا خوشی اس نواب کے
لیے جو اپنی دولت کے ذریعے اسلحہ بند نوجوان اور عورتوں کی عزت موت
کی دھمکی یا چاندی کے چند سکوں سے خریدتا ہے ۔۔۔ ؟
یا یہ خوشی ان لوگوں کے دلوں میں ہے جو ان چمکیلے لباس اور
تمغے رکھنے والوں کے لیے اپنے جسم اور روح کے ساتھ ایڑیاں رگڑ رگڑ
کر دن رات محنت کرتے ہیں ؟۔
اگر ہم تیرے اس کے ان اجارہ داروں سے کوئی شکایت کریں تو
وہ فی الفور اپنے اسلحہ بند فوجی ہمارے لیے بھیج دیتے ہیں۔ وہ اپنی بندوقوں
اور سنگینوں سمیت ہماری عورتوں اور بچوں کو کچلتے ہوئے آگے نکل جاتے
ہیں اور چلتے چلتے ہمارا خون چرا کر لے جاتے ہیں ۔۔۔ مزہ !
اے مسیح ! تم محبت اور رحم سے بھرپور ہو ۔۔۔۔۔ اپنی مضبوط

باہیں پھیلا دو تاکہ ہم ان ڈاکوؤں سے محفوظ رہ سکیں یا پھر ہمارے لیے موت کا سامان پیدا کر دو تاکہ ہم تمہاری صلیب کے سائے میں ہمیشہ کے لیے اطمینان کی نیند سو جائیں۔

وہاں ہم تمہاری آمد کے منتظر رہیں گے۔۔؟

اے پُر جلال مسیح؟ یہ زندگی سوائے غلامی کی تاریک کوٹھڑی کے اور کچھ نہیں،۔

۔۔۔۔۔ یہ ایک ایسا کھیل کا میدان ہے جہاں صرف خوفناک بھوت پریت اپنا کھیل کھیلتے ہیں۔

۔۔۔۔ یہ ایک ایسا گڑھا ہے جہاں موت کے سائے ہمیشہ زندہ رہتے ہیں۔

ہمارے دن کیا ہیں؟

وہ صرف ایسی تیز دھار والی تلواریں ہیں جو رات کی تاریکیوں میں ہمارے پھٹے ہوئے لحافوں کے نیچے چھپی ہوئی ہیں۔۔۔۔۔

صبح کے وقت یہ ہتھیار شیطانوں کی طرح ہمارے سروں سے بلند ہو جاتے ہیں جو ہمیں کوڑے کے اشاروں سے کھیتوں میں دائمی غلامی کی طرف ہانک کر لے جائیں۔

اے مسیح! مظلوموں پر رحم کرو۔ وہ مظلوم جو آج تیرے دسنجر کی یاد منانے کے لیے یہاں اکٹھے ہوئے ہیں۔

ان پر ترس کھاؤ۔ وہ بڑے بدحال اور کمزور ہیں۔۔۔۔!"

یوحنا کی ان باتوں سے ایک گروہ خوش ہوا اور دوسرا ناراض

. . . . .

ایک نے کہا:

"وہ سچی بات تو کہہ رہا ہے، وہ خدا سے تمہاری باتیں کہہ رہا ہے"۔

دوسرے نے کہا،

"اس پر تو کوئی جادو چل چکا ہے، وہ شیطان کی روح کی امداد سے باتیں کر رہا ہے۔

تیسرے نے کہا:

"ہم نے آج تک ایسی نامعقول باتیں نہیں سنیں۔ ہمارے باپ دادا نے بھی یہ باتیں کبھی نہ کہی تھیں ...."

اور چوتھے نے اپنے ساتھی کے کان میں سرگوشی کرتے ہوئے کہا:

"جب وہ باتیں کر رہا تھا تو مجھے یوں محسوس ہوا کہ میرے اندر ایک نئی روح بیدار ہو رہی ہے ...."

اس کے ساتھی نے کہا:

"لیکن ہمارے پجاری ہماری حاجتوں کو اس سے زیادہ سمجھتے ہیں، ان کی دیانت پر شک کرنا بڑا گناہ ہے۔"

جب مجمع میں طرح طرح کی باتیں ہونے لگیں تو فضا مختلف آوازوں سے گونج اٹھی، اس وقت ایک پادری آگے بڑھا اور اس نے یوحنا کو گرفتار

کر کے قانون کے حوالے کر دیا۔

اسے گورنر کے محل کی طرف لے جایا گیا۔

جب اس پر جرح کی گئی تو اس نے جواب میں ایک لفظ بھی نہ کہا۔ کیونکہ اسے یاد تھا کہ مسیح بھی مقدمہ چلانے والوں کے سامنے بالکل خاموش رہا تھا۔

گورنر نے حکم دیا کہ اُسے زندان میں پھینک دیا جائے جہاں یوحنّا تاریک کوٹھڑی میں پتھر کے بستر پر بڑے اطمینان سے محوِ خواب رہا.....!

دوسرے روز یوحنّا کا باپ گورنر کے حضور پیش ہوا اور ثبوت پیش کیا کہ اس کا بیٹا پاگل ہے۔ وہ کہنے لگا:

"حضور! میں نے یوحنّا کو اپنے آپ سے باتیں کرتے سنا ہے اور اکثر کئی دفعہ وہ ایسی باتیں کرتا تھا جو بالکل پاگلوں کی سی ہوتی تھیں۔

کئی دفعہ وہ راتوں کو بے معنی سی باتیں کرتا رہتا ہے اور کبھی تو سحر زدہ ہو کر رُوحوں سے بھی باتیں کرتا ہے۔ ان باتوں سے صاف ظاہر ہے کہ وہ دیوانہ ہے۔

جب اس سے کوئی بات کی جائے تو وہ کوئی جواب نہیں دیتا اور جب خود کوئی بات کرتا ہے تو وہ اناپ شناپ کہتا رہتا ہے جو کسی کی سمجھ میں نہیں آسکتی!

اس کی ماں اسے اچھی طرح جانتی ہے۔ اس نے کئی بار یہ دیکھا کہ وہ افق پر نگاہیں گاڑ کر بڑے جوش و خروش کے ساتھ بچے کی طرح باتیں کرتا

ہے۔ کبھی ندی نالے اور کبھی پھولوں اور ستاروں کی کہانیاں سنانے لگتا ہے۔ آپ ان راہبوں سے پوچھ سکتے ہیں کہ "دلنٹ" کے تہوار پر اس نے کتنی باگلانہ باتیں کہی تھیں۔

عالی جاہ! میرا بیٹا پاگل ہے۔ لیکن وہ اپنے ماں باپ کے لیے بڑا رحم دل ہے وہ اس بڑھاپے میں ہمارے لیے خاموشی سے دن رات کام کرتا ہے اور ہم اس کے سہارے زندگی بسر کر رہے ہیں۔

حضور ہم پر ترس کھا کر ہمارے بیٹے کو آزاد کر دیجیئے۔

گورنر نے یوحنّا کو آزاد کر دیا،

اور سارے گاؤں میں اس کے پاگل پن کی خبر پھیل گئی، جب بھی لوگ یوحنّا کا نام لیتے تو ان کے لہجے میں تحقیر اور تمسخر ہوتا۔

اور کنواری لڑکیاں اس کی طرف بڑی غمگین نگاہوں سے دیکھتیں اور کہتیں قدرت کے طریقے بھی عجیب ہیں۔ خدا نے اس جوان میں دیوانگی اور حسن دونوں کو اکٹھا کر دیا ہے۔۔۔۔ اس کی نگاہوں میں رحمدانہ چمک کے ساتھ اس کی ان دیکھی شخصیت کی تاریکی کی آمیزش کر دی گئی ہے۔

خدا کے کھیتوں اور ہری بھری وادیوں میں جہاں پہاڑیوں کے دامن پھولوں سے لبریز ہیں۔ یوحنّا ایک روح کی طرح پھرتا رہا۔ وہ اپنے بیلوں کو چراتا اور گاؤں کی جھونپڑیوں پر ایک نگاہ

ڈالتا اور آہ بھر کر کہتا۔

تم بہت سے ہو اور میں اکیلا۔

بھیڑیا رات کی تاریکیوں میں بھیڑ پر اپنا وار کرتا ہے لیکن خون کے دھبے تو وادی کے شفاف پتھروں پر باقی رہ جاتے ہیں۔ سورج کی پہلی کرن کے ساتھ ہی وہ دھبے نظر آجاتے ہیں اور بھیڑیے کا جرم بے نقاب ہو جاتا ہے۔

*****

صلیب

(آخری جمعہ کو لکھا گیا)

آج .... اور ہر برس آج کے دن انسان خواب خرگوش سے بیدار ہوتا ہے اور کئی زمانوں کے خیالوں کے سامنے کھڑا ہو کر اشک ریز آنکھوں سے پہاڑ کالواری کی طرف دیکھتا ہے جہاں مسیح ناظری کو صلیب پر لٹکا کر میخیں ٹھونک دی گئی تھیں۔

جب یہ دن گزرتا جاتا ہے اور شام کے اندھیرے پھیل جاتے ہیں یہ انسان پھر اپنی دنیا میں واپس آجاتے ہیں اور بتوں کے سامنے دوزانو ہو جاتے ہیں۔ یہ بت ہر پہاڑی، ہر مرغزار، ہر میدان اور گندم کے ہر کھلوار پر نظر آجاتا ہے۔

آج عیسائیت کی روح اپنی یادوں کو پرواز دے کر بیت المقدس پہنچ جاتی ہے، وہاں یہ روحیں ماتم کناں ہوتی ہیں اور مسیح کی طرف دیکھتی ہیں جو کانٹوں کا تاج پہنے اور اپنی دونوں باہیں آسمان کے سامنے پھیلائے موت کے پردے سے زندگی کی گہرائیوں کو دیکھ رہا ہے۔

لیکن جب رات کا پردہ گر پڑتا ہے اور یہ مختصر سا ڈرامہ ختم ہو جاتے

ہیں تو پھر یہ بھی دنیا ئے عیسا ئیت فراموشی کے سایوں میں گم ہو جاتی ہے اور ان کے لیے سوائے جہالت اور کاہلی کے اور کچھ باقی نہیں رہتا۔

ہر سال اس دن فلسفہ دان اپنی تاریک کوٹھڑیوں اور مفکر اپنے سرد خانوں اور شعراء اپنے خیالی دیوان خانوں سے باہر نکلے ہیں اور بڑے ادب کے ساتھ اس خاموش پہاڑ کے سامنے کھڑے ہو کر ایک نوجوان کی آواز سنتے ہیں جو مسیح کے قاتلوں کے متعلق یہ کہتا ہے۔

"اے مقدس باپ! ان کو معاف کر دے کہ کیونکہ وہ نہیں جانتے کہ وہ کیا کر رہے ہیں۔"

اور جب تاریک خاموشیاں روشنیوں کی صداؤں کا گلا گھونٹ دیتی ہے اس وقت یہ فلسفی، مفکر اور شعراء اپنے تنگ و تاریک مکانوں میں گھس جاتا ہے اور پھر اپنی روح کو بے معنی اوراق سے ڈھانپ لیتے ہیں۔

وہ خواتین جو زندگی کی شوکتوں میں دن رات مصروف رہتی ہیں۔ وہ بھی اپنے مخملیں بستروں سے اٹھ کر اس غم زدہ عورت کو دیکھنے آ جاتی ہیں جو صلیب کے سامنے کھڑی اس طرح کانپ رہی ہوتی ہیں۔ جس طرح ایک نونہال خشمگین طوفانوں کے سامنے لرزاں ہو۔

اور جب وہ اس عورت کے نزدیک پہنچتی ہے تو درد و کرب میں ڈوبی ہوئی ایک آواز سنتی ہے۔

نوجوان مرد و عورتیں جو آج کی تہذیب کے تند و دھارے میں بہے چلے جاتے ہیں۔ آج وہ ایک لمحہ کے لیے تھم جاتے ہیں اور پیچھے مڑ کر

نوجوان میگڈالین کو دیکھتے ہیں جو مقدس انسان کے پاؤں پر خون کے دھبوں کو اپنے آنسوؤں سے دھو رہی ہوتی ہیں۔ یہ مقدس انسان اس وقت زمین اور آسمان کے درمیان لٹک رہا ہوتا ہے۔

اور جب ان کی سطح کی نگاہیں یہ منظر دیکھ کر تھک جاتی ہیں تو وہ آگے بڑھ جاتے ہیں اور پیٹھ پھیرتے ہی قہقہے لگاتے ہیں۔

ہر سال اس دن انسانیت بہار کی ساری رعنائیاں لیے ہوئے بیدار ہوتی ہے اور مسیح ناظری کے دکھ درد پر آنسو بہاتی ہے۔ اس کے بعد وہ اپنی آنکھیں بند کر کے گہری نیند میں کھو جاتی ہے لیکن بہار تو بیدار ہی رہتی ہے وہ اس وقت تک مسکراتی ہے جب تک شدت کی گرمی شروع نہیں ہوجاتی اس کے لباس میں خوشبو موجود رہتی ہے۔

انسانیت ماتم داری میں ایک لذت محسوس کرتی ہے کیونکہ وہ ازمنہ قدیم کے بڑے لیڈروں اور ماضی کی یادوں پر ہمیشہ گریہ زاری کرتی ہے۔

——— اگر انسانیت کے قبضے میں ادراک ہوتا تو وہ ان کی عظمت و شوکت پر مسرت و شادمانی کا اظہار کرتی۔

انسانیت اس بچے کی طرح ہے جو ایک زخمی حیوان کے نزدیک کھڑا ہو کر قہقہے لگا رہا ہو۔

——— انسانیت ان تند و تیز موجوں کے سامنے کھڑے ہو کر مسکراتی ہے جو درخت کی خشک ٹہنیوں کو بہا کر بستیوں کی طرف لے جاتی ہے بلکہ ہر کمزور چیز کو اپنے دھارے کی رو میں بہا کر لے جاتی ہے۔

انسانیت نے مسیح ناظری کو صرف ان نگاہوں سے دیکھا کہ وہ ایک کمزور انسان تھا جس نے اپنی زندگی میں بے اندازہ دکھ اٹھائے۔

اور لوگ اس پر ترس کھاتے ہیں کہ اسے بڑے دردناک طریقے سے صلیب پر چڑھایا گیا۔

اور انسانیت صرف گریہ وزاری اور رنج وغم ہی پیش کر سکتی ہے صدیوں سے انسانیت صرف مسیح کی کمزوری ہی کی پرستش کرتی رہی ہے۔

مسیح ناظری کمزور نہیں تھا۔ وہ مضبوط انسان تھا اور اب بھی مضبوط ہے لیکن کہا جاتا ہے لوگ طاقت کے صحیح معنی سمجھنے سے قاصر ہیں۔

مسیح کبھی خوف زدہ نہیں ہوا تھا وہ نہ ہی موت کے لمحوں میں رنج یا دکھ کا کوئی لفظ اس کی زبان پر آیا۔

——— وہ ایک قائد کی طرح زندہ رہا۔ مجاہد کی طرح اسے صلیب پر چڑھایا گیا۔ وہ ایسی شجاعت سے تختہ دار پر چڑھا کہ اس کے قاتل اور آزاد رساں خوفزدہ ہو گئے۔

مسیح زخمی پروں والے پرندے کی طرح نہیں تھا وہ ایک ایسے خشمگین طوفان کے مانند تھا جس نے تمام خمیدہ پروں کو توڑ دیا، وہ اپنے ایذار رسانوں اور اعداء سے ایک لمحہ کے لیے بھی خائف نہ ہوا، وہ اپنے قاتلوں کے سامنے کبھی نہیں گڑگڑایا۔

آزاد، شجاع اور بہادر تھا وہ انسان ... !

اس نے ظالموں اور جابروں کا مقابلہ کیا،

اس نے ناسور دیکھا اور اعضا کاٹ کر رکھ دئے.... اس نے بدی کو ختم کیا اس نے فریب کاری کو نابود کیا۔ اس نے غداری کا گلا گھونٹ دیا۔!

مسیح بقعۂ نور سے نکل کر اس لیے نہیں آیا تھا کہ وہ مکانوں کو منہدم کر کے ان پر معبد اور راہب خانے بنائے.... اس نے کبھی مضبوط انسان کو اس پر آمادہ نہیں کیا تھا کہ وہ رہبانیت اختیار کرے۔

وہ اس لیے آیا تھا کہ اس سرزمین پر ایک نئی روح پھونکے اور اس ملوکیت کی بنیادوں کو ہلا دے۔ جو انسانوں کی ہڈیوں اور سر کی کھوپڑیوں پر تعمیر کی گئی ہیں۔

وہ عظمت مآب محلوں کو منہدم کرنے آیا تھا جو کمزوروں کی قبروں پر کھڑے کئے گئے ہیں اور ان بتوں کو چور چور کر دے جو غریبوں کے اجسام پر ایستادہ ہیں۔

مسیح یہاں اس لیئے نہیں بھیجا گیا تھا وہ فلاکت زدہ لوگوں کی حقیر سی جھونپڑیوں اور افسردہ مکانوں کے درمیان لوگوں کو عالی شان گرجے اور راہب خانے بنانا سکھائے۔

———— وہ توانسان کے دل کو معبد روح کو مقدس چبوترہ اور ذہن کو پجاری بنانے آیا تھا۔!

یہ تھا پیام مسیح ناظری کا اور یہی تعلیمات تھیں جس کے باعث اسے پھانسی پر لٹکا دیا گیا تھا۔

اور اگر انسانیت میں ادراک ہوتا تو آج وہ اپنی پوری قوت سے فتح مندی اور شادمانی کا گیت گاتی .... !!

اے مصلوب مسیحا! تم کوہ کالوری پر کھڑے ہو کر زمانے کے جلوسوں کو دیکھ رہے ہو اور سیاہ قوموں کے شور و غوغا کو بھی سن رہے ہیں اور تم ابد کے تمام اسرار سے واقف ہو۔

تم صلیب پر چڑھ کر ایک ہزار شہنائیوں سے جو ایک ہزار ممالک میں تخت و تاج پر بیٹھے ہوں زیادہ باوقار اور باعظمت ہو... !

تم حالت نزع میں ایک ہزار جنگوں میں ایک ہزار سپہ سالاروں سے زیادہ توانا ہو،

تم اپنے غم و الم سے بہار کے پھول سے بھی زیادہ شاداب ہو... !

تم کوڑے مارنے والوں کے سامنے چٹان سے بھی زیادہ مضبوط ہو... !

تمہارا کانٹوں کا تاج بہرام کے تاج سے بھی زیادہ تابناک اور قیمتی ہے۔!

وہ میخیں جو تمہارے ہاتھوں کے پار ہو گئی ہیں۔ وہ جوپیٹر دیوتا کے عصائے شاہی سے زیادہ خوبصورت ہے.. !

خون کے قطرے جو تمہارے پاؤں پر گرے ہیں وہ اشتر دیوی کے ہار سے زیادہ درخشندہ ہیں ... !

ان کمزور انسانوں کو معاف کر دو جو آج تیرا ماتم کر رہے ہیں۔ کیونکہ وہ تو اپنے آپ پر ماتم کرنا بھی نہیں جانتے ...

ان کو معاف کردو کیونکہ وہ اس راز کو نہیں پا سکتے کہ تم نے موت پر فتح
حاصل کی ہے اور مردہ لوگوں کے لیے ایک نئی زندگی عطا کی ہے۔
ان کو معاف کردو کیونکہ وہ نہیں سمجھتے کہ تمہاری قوت اب بھی ان
کے لیے انتظار کر رہی ہے۔
ان کو معاف کردو کیونکہ وہ یہ بات نہیں جانتے کہ ہر دن تمہارا
دن ہے۔

****

ڈرامہ

ارم.......... سربفلک میناروں کا شہر

مقام : .... اخروٹوں، اناروں اور دیوداروں کا ایک چھوٹا سا جنگل .....
اس جنگل میں نہر العاصی اور ہرمل گاؤں کے درمیان ایک چھوٹا سا تنہا مکان ۔
وقت : ...... ۱۸۹۳ء ...... وسط جولائی ...... عصر کا ہنگام

کردار : ......
زین العابدین ...... نہاوند کا رہنے والا ایک چالیس سالہ ایرانی درویش اور صوفی
نجیب رحمی .... تیس سالہ لبنان کا ایک فاضل ۔
امینہ .... ایک روحانی شخصیت عمر نامعلوم پُر اسرار پیغمبرانہ صفت کی عورت گرد و نواح میں "حوری وادی" کے نام سے مشہور ......

جب پردہ اٹھتا ہے تو زین العابدین درخت کے نیچے اپنا سر اپنی ہتھیلی پر لٹکائے بیٹھا ہے اور اپنی لاٹھی سے زمین پر کچھ گول گول نقوش بنا رہا ہے۔ چند لمحے بعد نجیب رحمی گھوڑے پر سوار اندر آتا ہے وہ گھوڑے سے اتر کر ایک درخت کے تنے سے باندھ دیتا ہے اور کپڑوں سے گرد جھاڑ کر زین العابدین کے نزدیک آتا ہے ۔

نجیب : میں سلام عرض کرتا ہوں۔
زین : میرا سلام بھی ہو قبول ر سرایک طرف کر کے اپنے آپ سے سلام تو قبول ہو سکتا ہے لیکن فوقیت کس کی . . . . وہ ایک الگ بات ہے۔
نجیب : کیا روحانی امینہ کی جائے رہائش یہی ہے۔
زین : ہاں، یہ بھی اس کی ایک جگہ ہے وہ کہیں بھی نہیں رہتی، لیکن ہر جگہ رہتی ہے۔
نجیب : میں نے بہت سے لوگوں سے پوچھا۔ کوئی بھی اس کا پتہ نہیں بتا سکا۔ وہ کہتے ہیں کہ وہ بہت سی جگہوں میں رہتی ہے۔
زین : اس کا مطلب یہ ہے کہ جن لوگوں نے آپ کو اطلاع دی ہے وہ صرف وہ چیز دیکھتے ہیں جو ان کی آنکھیں دیکھتی ہیں اور وہ چیز سنتے ہیں جو ان کے کان سنتے ہیں۔ امینہ ایک دیوی ہے جو ہر جگہ موجود ہے رو ہ مشرق کی طرف ایک لاٹھی سیدھی کرتا ہے اور وہ وادیوں اور پہاڑیوں میں لپٹ نوردی کرتی ہے۔
نجیب : کیا آج وہ اس جگہ آئے گی۔
زین : خدا کو منظور ہوا تو وہ آج ضرور آئے گی۔
نجیب : رزین کے سامنے وہ ایک چٹان پر بیٹھ جاتا ہے اور زین کو غور سے دیکھتا ہے۔ تمہاری داڑھی سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ تم ایرانی ہو۔
زین : ہاں، میں نہاوند میں پیدا ہوا۔ شیراز میں پرورش پائی اور نیشاپور میں تعلیم حاصل کی۔
میں نے مشرق و مغرب میں سفر کیا اور پھر لوٹ آیا۔ میں نے ہر جگہ اپنے آپ کو اجنبی محسوس کیا۔

نجیب: اکثر ہم اپنے آپ سے بھی اجنبی ہوتے ہیں۔
زین: (نجیب کے اس فقرے کی اہمیت کو نظر انداز کرتے ہوئے) یہ حقیقت ہے کہ میں ہزارہا انسانوں سے ملا۔ ان سے باتیں کیں لیکن یہ سب لوگ اپنے ماحول میں مطمئن نظر آتے تھے اور وہ اس وسیع و عریض دنیا میں صرف محدود سے زندانوں میں بیٹھے ہوئے تماشہ دیکھ رہے ہیں۔
نجیب: (زین کے ان الفاظ سے پریشان ہو کر) کیا انسان اپنے مولا کے ساتھ قدرتی طور پر وابستہ نہیں ہوتا؟
زین: جو شخص اپنے دل و دماغ کی حدیں محدود کر چکا ہو وہ اسی چیز سے محبت کرتا ہے جو محدود ہو اور جس کی نگاہیں کمزور ہوں اور وہ اپنے راستے پر صرف آدھ گز آگے دیکھ سکتا ہے اور جس دیوار کا سہارا لیتا ہے۔ اس کا بھی وہ محدود سا حصہ دیکھتا ہے۔
نجیب: دنیا کے تمام لوگوں کو یہ طاقت ودیعت نہیں کی گئی کہ وہ زندگی کی انتہائی گہرائیوں کو اندرونی نگاہوں سے دیکھ سکیں اور جس شخص کی نگاہ میں کمزوری ہو اس سے یہ مطالبہ کرنا کہ وہ صاف کیوں نہیں دیکھ سکتا۔ میرے خیال میں ظلم ہے۔
زین: تم نے سچ کہا لیکن کچے انگوروں سے شراب کشید کرنا ظلم نہیں؟
نجیب: (ایک مختصر سی خاموشی کے بعد) آپ کی کہانیاں ہی کئی برسوں سے سن رہا ہوں۔ میں یہ کہانیاں سن کر بے حد متاثر ہوا اور میں نے یہ طے کیا کہ میں اس سے ملاقات کر کے اس کے اسرار و رموز سے آگاہ ہوں گا۔

زین: اس دنیا میں کوئی ایسی شخصیت نہیں جو اس کے دل کی گہرائیوں تک پہنچ سکے
جس طرح کوئی شخص سمندر کے پاتال میں اس طرح چہل قدمی نہیں کر سکتا جس
طرح کے باغ میں۔
نجیب: میں معذرت چاہتا ہوں شاید میں اپنا مفہوم واضح طور پر بیان نہیں کر سکا۔
میں یہ جانتا ہوں کہ میں اس قابل نہیں کہ مقدس امینہ کے اسرار سے واقف ہو
سکوں۔ میں صرف یہ جانتا ہوں کہ وہ مجھے ارم سر بفلک میناروں کے شہر کا حال
بتائے۔ میں نے سنا ہے کہ وہ اس شہر میں داخل ہوئی تھی۔
زین: تمہیں صرف امینہ کے خوابوں کے دریچوں کے سامنے خلوص سے بھرے
دل سے کھڑا ہونا پڑے گا۔ اگر یہ دریچے کھل گئے تو تم منزل مقصود پر
پہنچ جاؤ گے اور اگر بند رہے تو اس میں امینہ کا کوئی دوش نہیں ہوگا۔
نجیب: میں تمہارے عجیب وغریب الفاظ کے مطالب سمجھنے سے قاصر رہا ہوں
زین: بڑے سادہ ہیں یہ الفاظ۔ اگر تم کامیاب ہو گئے تو اس انعام کے مقابلے
میں یہ الفاظ تو بڑے سادہ ہیں۔
امینہ ان لوگوں کو اچھی طرح جانتی ہے یہاں تک کہ وہ اپنے آپ کو بھی اتنا
نہیں جانتا اور وہ ایک نگاہ میں ان کے دلوں کی بات معلوم کر لیتی ہے۔ اگر
امینہ نے تمہیں اس قابل سمجھا تو وہ بڑی مسرت کے ساتھ تم سے باتیں کرے
گی اور وہ زندگی کے راستے پر بلند ترین مقام سے تمہاری رہنمائی کرے گی۔
اور اگر ایسا نہیں تو پھر وہ تم کو بالکل نظر انداز کر دے گی۔
نجیب: اپنے آپ کو اس قابل بنانے کے لیے مجھے کیا کرنا چاہیے؟

زین : الفاظ یا اعمال سے امینۂ مقدس کے دل تک پہنچنے کی جدوجہد بے سود ہوگی کیونکہ وہ نہ سنتی ہے اور نہ دیکھتی ہے لیکن اپنی روح کے کانوں سے وہ تمام باتیں سن لے گی جو تم نہیں کہو گے اور وہ اپنی روح کی آنکھوں سے وہ دیکھ لے گی جو تم نہیں کرتے۔

نجیب : آپ کی باتیں دانش سے کس قدر بھرپور ہیں۔

زین : اگر امینۂ مقدس کے بارے میں ایک سو برس تک رطب اللسان رہوں تو میری کوشش اس گونگے کی طرح ہوگی جو زندگی کا حسین ترین نغمہ الاپنے کی آرزو رکھتا ہو۔

نجیب : کیا آپ کو اس بات کا علم ہے کہ یہ نادر خاتون کہاں پیدا ہوئی؟

زین : اس کا جسم دمشق کے نواحی علاقوں میں منصۂ شہود پر آیا اور باقی سب کچھ جو جسم سے بہت زیادہ قیمتی ہے خدا کی گود میں پیدا ہوا۔

نجیب : اس کے ماں باپ کون تھے ؟

زین : اس بات کی بھی کوئی اہمیت ہے ؟ کیا تم سطح سمندر پر نظر گاڑ کر اس کی گہرائیوں کے رازہائے سربستہ سے واقف ہو سکتے ہو ؟ کیا صرف صراحی سے شراب کی لذت کا اندازہ کر سکتے ہو ؟

نجیب : اس نے سچ کہا۔ . . . . . لیکن روح اور جسم کا کوئی نہ کوئی رابطہ تو ضرور ہوگا اور جسم اپنے ماحول میں اکثر پہچانا جاتا ہے اور میں اس ضمن میں گمان کا قائل نہیں۔ میں یہ جانتا ہوں کہ امینہ کے پس منظر سے واقف ہو کر میں اس کے رازِ حیات کو پا جاؤں گا۔

زین: بہت اچھی بات کہی آپ نے، میں اس ماں کے متعلق تو کچھ نہیں جانتا۔ صرف یہ بات مجھ تک پہنچی کہ امینہ کی پیدائش کے ساتھ ہی اس کی ماں انتقال کر گئی۔ امینہ اس کی اکلوتی بچی تھی۔ اس کے باپ کا نام شیخ عبدالغنی ہے جو نابینا تھا لیکن وہ اپنے دل کے دریچوں سے سب کچھ دیکھ سکتا تھا۔ وہ خدا کا نزدیک ترین دوست تھا اور اسے تصوف کا امام وقت تصور کیا جاتا تھا۔ خدا اس کی لحد پر شبنم افشانی کرے۔ وہ اپنی بیٹی سے دیوانہ وار محبت کرتا تھا اور اس نے اپنے تمام علوم باطنی سے اپنی پیاری بیٹی کو آگاہ کر دیا۔ اس کے دل میں محبت اور طوفان کے جس قدر دریا لہریں لے رہے تھے، وہ سب اپنی بیٹی کے سینے میں انڈیل دیئے۔

امینہ بہت جلد علوم لدنی سے آگاہ کیا اور آخر ایک دن شیخ نے کہا "میرے دردناک اندھیروں میں روشنی کی ایک کرن پیدا ہوئی جس نے میری زندگی کے تمام راستوں کو منور کر دیا۔"

جب امینہ ۲۳ برس کی ہوئی تو اس وقت اس کا باپ اسے حج پر لے گیا۔ دمشق کا صحرا انہوں نے عبور کیا۔ اس کے بعد وہ بیابان میں سفر کرنے لگے اس کا نابینا باپ بیمار ہوا اور وہیں مر گیا۔ امینہ نے اپنے باپ کو اپنے ہاتھ سے بیابان میں دفن کیا۔ سات دن اور سات راتیں وہ اس کی قبر پہ بیٹھی رہی اس نے اپنے باپ کی روح کو بلایا اور اسرارِ حیات سے آگاہی حاصل کی۔

اس کے باپ کی روح نمودار ہوئی اور اس نے حکم دیا کہ وہ جنوب مشرق کی طرف سفر اختیار کرے۔ امینہ نے اس حکم کی تعمیل کی۔

زین العابدین ایک لمحہ کے لیے رک جاتا ہے اور دور افق پر نگاہیں جما دیتا ہے چند لمحوں بعد پھر گویا ہوتا ہے۔

امینہ نے سفر جاری رکھا یہاں تک کہ وہ صحرا کے عین وسط میں جا پہنچی جس کو ربع الخالی بھی کہتے ہیں اور آج تک کوئی کاروان اس صحرا کو عبور نہیں کر سکا۔ کہتے ہیں کہ جب اسلامی سلطنت کا عروج تھا۔ اس وقت چند مسافر بھٹکتے ہوئے وہاں جا پہنچے۔

حاجیوں نے یہ سمجھا کہ امینہ صحرا میں اپنی جان گنوا بیٹھی ہے اور انہوں نے واپسی پر دمشق کے لوگوں کو اس المیہ سے آگاہ کیا۔ وہ لوگ جو شیخ عبدالغنی اور اس کی مقدس بیٹی کو جانتے تھے بہت غمگین ہوئے لیکن جب کئی سال گزر گئے تو وہ ان دونوں کو بھول گئے۔

پانچ برس کے بعد پھر امینہ موصل میں نمودار ہوئی۔ اس کی غیر معمولی دانشوری اس کے لاثانی حسن اور علم سے لوگ ایک دفعہ پھر اس پر پروانوں کی طرح گرنے لگے۔ لوگوں کو یہ محسوس ہوا کہ آسمان سے کوئی تارا ٹوٹ کر ان کے درمیان آ گیا ہے۔

نجیب: (بات کاٹ کر ......) اگرچہ وہ زین کی اس کہانی میں بالکل مگن تھا۔ کیا امینہ نے لوگوں کو یہ بتایا کہ وہ کون ہے؟

زین: اس نے اپنے متعلق کچھ بھی نہیں بتایا۔ وہ بے نقاب ہو کر آئمہ اکابر اور علمائے اجل کے سامنے تصوف اور عرفان کے راز بیان کرتی اور "سر بفلک میناروں کے شہر" کے بارے میں ایک لہجہ میں باتیں کرتی کہ سننے والے مبہوت

رہ جاتے اور روز بروز اس کے مریدوں میں اضافہ ہوتا گیا۔

شہر کے دانشمندوں کے سینے میں حسد کی آگ بھڑک اٹھی۔ انہوں نے امیر شہر سے شکایت کی۔ امیر نے امینہ کو بلوا بھیجا اور جب وہ دربار میں آئی تو امیر نے اسے سونے کی ایک تھیلی پیش کی اور اسے حکم دیا کہ وہ اس شہر کی حدود سے نکل جائے۔ امینہ نے سونے کی تھیلی تو لوٹا دی اور خود آدھی رات کے وقت اس شہر سے باہر نکل گئی۔

یہاں سے نکل کر وہ قسطنطنیہ، دمشق، حمص اور طرابلس گئی اور شہر میں اس نے اپنی ساحرانہ قوت سے لوگوں کے دلوں میں روشنی کی کرنیں برپا کیں، ہر شہر کا امام اس کی مخالفت پر کمربستہ ہوا اور اسے ہر شہر سے جلاوطن کیا گیا۔

بالآخر اس نے یہ طے کیا کہ وہ گوشہ نشینی کی زندگی بسر کرے گی اور اس مقصد کے پیش نظر چند برس ہوئے وہ یہاں آئی۔

خدا کی محبت ہی اس کی زندگی کا مطمع نظر ہے اور اسرار و رموز غور و فکر ہی اس کا آدرش تھا۔

میں نے امینہ کی زندگی کا مختصر سا پہلو آپ کے سامنے پیش کیا ہے۔

لیکن میں امینہ کی روحانی قوتوں کا بیان الفاظ میں نہیں کر سکتا۔

یہ انسان کے بس کی بات نہیں کہ وہ ایک ہی پیالے میں دانشوری کی تمام شراب بھر دے جو دنیا کے بہت سے پیالوں میں موجود ہے۔

نجیب: جناب! میں آپ کا بے حد ممنون ہوں کہ آپ نے مجھے اتنی اعلیٰ پایہ کی آگاہی سے سرفراز کیا۔ اب اس مقدس خاتون کو دیکھنے کے لیے میری آرزوئیں

وہ چند ہو گئی ہیں۔

زین: (نجیب کی طرف غور سے دیکھتے ہوئے) آپ عیسائی ہیں۔ کیا میرا اندازہ درست ہے۔

نجیب: میں عیسائی پیدا ہوا تھا۔ میں اپنے آباؤ اجداد کا ممنون ہوں کہ انہوں نے مجھے ایک مذہب اور ایک نام بخشا۔ لیکن میں اتنی بات کہے بغیر نہیں رہ سکتا کہ اگر ہم تمام مذاہب کو خیرباد کہہ دیں اور ہم سب ایک بہت بڑے انسانی عقیدے میں متحد ہو جائیں تو یہ اخوت بہت وسیع ہو جائے گی۔

زین: تمہاری باتوں میں دانشمندی جھلک رہی ہے اور ایک متحد مذہب سے امینہ بے حد گہرائی اور وسیع النظری سے روشنی ڈال سکتی ہے، وہ تمام عقائد کے لیے اس شبنم کی مانند ہے جو نور کے تڑکے ہر قسم کے پھولوں پر پڑتی ہے۔ اور موتیوں کے سے قطروں کا نشان باقی چھوڑ جاتی ہے۔

ہاں .... وہ صبح کی شبنم کے مانند ہے ....

(زین اچانک خاموش ہو جاتا ہے اور مشرق کی طرف نگاہیں جما دیتا ہے، کان لگا کر کچھ سنتا ہے پھر وہ کھڑا ہو جاتا ہے اور نجیب کو خیرباد کرتا ہے اور گھبراہٹ سے سرگوشی میں کہتا ہے۔

امینہ مقدس آ گئی ہے تمہاری قسمت یاوری کرے۔

نجیب: (کانپتی ہوئی سرگوشی میں) کئی مہینوں کے انتظار اور اضطراب کا انعام مجھے مل جائے تو میں سمجھوں گا کہ میں بڑا خوش قسمت انسان ہوں۔

(نجیب اپنا ہاتھ پیشانی تک لے جاتا ہے گویا اپنے مضطرب جذبات کو سکون دینا چاہتا ہے۔ اس نے یہ محسوس کر لیا ہے کہ فضا میں اچانک انقلاب آ

گیا ہے۔ اسے اس مرحلہ پہ ناکامی نہ ہو۔ اس احساس سے وہ فدا غمگین بھی ہو جاتا ہے
لیکن مریں بت کی طرح وہ خاموش کھڑا رہتا ہے۔
امینہ مقدس داخل ہوتی ہے اور ان دونوں مردوں کے سامنے آکر کھڑی ہو
جاتی ہے۔ وہ دراز ریشمی لبادے میں ملبوس ہے اور اس کے خد و خال اور حرکات
سے معلوم ہوتا ہے کہ گویا ازمنۂ قدیم کی کوئی دیوی ہے جس کی پرستش اقوام عالم کیا
کرتی تھیں۔ وہ اس دور کی خاتون معلوم نہیں ہوتی۔
اس کے چہرے سے اس کی عمر کا اندازہ لگانا مشکل ہے اگرچہ وہ جوان معلوم
ہوتی ہے لیکن اس کی آنکھوں کی گہرائیوں میں ہزاروں برس کی دانشوری اور
اذیت جھلک رہی ہے۔ بجیب اور رزین دونوں ادب سے خاموش کھڑے
رہتے ہیں۔ ان کا یہ احساس کہ وہ کسی پیغمبر کے حضور میں کھڑے ہیں)
امینہ: (بجیب کی دل کی گہرائیوں کو بھانپتے ہوئے تیقن آمیز آواز میں) تم یہاں اس لیے
آئے کہ ہمارے متعلق اپنی معلومات میں اضافہ کرو۔ لیکن تم ہمارے متعلق اس سے
زیادہ معلوم نہ کر سکو گے جو تم اپنے متعلق جانتے ہو اور تم ہماری زبان سے
وہی سن سکو گے جو تم اپنی ذات سے سنتے رہتے ہو۔
بجیب: (پریشان ہو کر) میں پہلے ہی دیکھ چکا ہوں و سن چکا ہوں اور اس پر یقین
کر چکا ہوں، .... میں مطمئن ہوں۔
امینہ: جزوی اطمینان سے مطمئن نہ ہو جاؤ۔ جو شخص زندگی کے چشمے پر ایک خالی برتن
لے کر جاتا ہے وہاں سے وہ دو بھرے ہوئے برتن لے کر لوٹتا ہے۔
(امینہ اپنا ہاتھ پھیلا دیتی ہے اور بجیب بڑے ادب سے اس مقدس ہاتھ

کو اپنے دونوں ہاتھوں میں لیتا ہے اور اس کی انگلیوں کے سِروں کو بوسہ دیتا ہے اس وقت ایک غیر معلوم سا جذبہ اس کے رؤیں رؤیں میں بھر جاتا ہے امینہ اپنا دوسرا ہاتھ زین کے سامنے پھیلاتی ہے وہ بھی بوسہ دیتا ہے اور نجیب اس بات پر بڑا مسرور ہے کہ اس نے صحیح طور پر عمل کیا تھا۔ امینہ آہستہ آہستہ سے پیچھے ہٹ جاتی ہے،

امینہ: (ایک شفاف سے پتھر پہ بیٹھتے ہوئے) یہ خدا کی کرسیاں ہیں۔ تم بھی ان پہ بیٹھ جاؤ۔ (نجیب اور زین دونوں بیٹھ جاتے ہیں۔ امینہ پھر نجیب سے مخاطب ہوتی ہے) ہم تمہاری آنکھوں سے خدائے قدوس کی سچی شعاعیں دیکھ رہے ہیں۔ اور جس کے سینے میں خدا کی سچائی روشنی موجود ہو وہی ہماری اندرونی حقیقت کو سمجھ سکے گا۔ تم مخلص ہو، تم صداقت سے محبت کرتے ہو اس لیے تم صداقت کے متعلق کچھ اور بھی جاننا چاہتے ہو۔ اگر تم کچھ کہنا چاہتے ہو تو ہم تمہاری باتیں غور سے سنیں گے اور اگر تمہارے دل میں کوئی سوال موجود ہے وہ بھی پوچھ لو۔ ہم صرف سچی باتیں کہیں گے۔

نجیب: میں ایک ایسی بات آپ سے پوچھنے آیا ہوں جو اس وقت ہجوم کی زبان پر ہے لیکن جب میں آپ کے سامنے کھڑا ہوا تو مجھ پر صداقت زندگی کے معانی کے کئی باب کھل گئے اور اب باقی تمام باتیں ہیچ ہیں۔ میں اس ماہی گیر کی طرح ہوں جس نے سمندر میں اس امید پہ جال پھینکا کہ دن کی روٹی کا سامان میسّر ہو سکے لیکن جب اس نے جال باہر کھینچا تو اس نے دیکھا کہ اس کا جال ہیرے جواہرات سے بھرپور ہے۔

امینہ: ہم نے تمہارے دل میں ایک بات کا مشاہدہ کیا ہے تم یہ معلوم کرنا چاہتے ہو کہ
ہم ارم .... مہر لفلک میناروں کے شہر میں کس طرح داخل ہوئے اور اب
تم اس شہر کا حال معلوم کرنے کے لیے بے تاب ہو!
نجیب (اس انکشاف پر متحیر ہو کر، ہاں بچپن ہی سے ارم کا شہر میرے خوابوں پر مسلط تھا
اس شہر کے رازہائے سربستہ اور بے پایاں اہمیت معلوم کرنے کے لیے بے
بے اندازہ مضطرب رہا ہوں۔
امینہ: اپنا سر اٹھا کر آنکھیں بند کیں اور نجیب کو یوں محسوس ہوا کہ یہ آواز مقام و رقت کے
خلاؤں سے پیدا ہو رہی ہے۔ اس نے بڑی متانت سے کہا، ہاں! ہم
اس سنہری شہر میں داخل ہوئے، وہاں قیام کیا اور اپنی روحوں کو وہاں کی لو سے
اپنے دلوں کو وہاں کے اسرار و رموز سے اپنے کیسوں کو لعل دیاقوت سے
اپنے کانوں کو وہاں کے نغموں سے .... اور اپنی آنکھوں
کو وہاں کے حسن سے معمور کیا اور وہ شخص جو اس امر پر شبہ کرے جو کچھ ہم نے
وہاں دیکھا سنا اور پایا وہ خدا اور انسان کی موجودگی میں اپنے آپ پر شبہ کرے گا۔
نجیب: بڑی لجاجت اور آہستہ سے، میں کیا ہوں؟ ایک لڑکھڑاتا اور تتلاتا ہوا بچہ
جو اپنا ماضی الضمیر بیان نہیں کرسکتا۔ کیا آپ اس کی تفسیر نہ کریں گی؟ ......
اور اگر میں چند سوالات کروں تو مجھے معاف کریں گی؟
امینہ: تم جو چاہو مجھ سے سوال کرو۔ خدا نے ہر اس شخص کے لیے سچائی کا دروازہ
کھلا رکھا ہے جو ایمان و ایقان کے جذبے سے دستک دیتا ہے۔
نجیب: کیا آپ اس شہر ارم میں جسم کے ساتھ گئی تھیں یا روحانی قوتوں کے بھروسے

پر ؟ کیا یہ سنہری شہر اسی دنیا کے عناصر سے تعمیر ہوا ہے ؟ .... اور کیا اسی سرزمین پر موجود ہے یا وہ ایک روحانی بستی ہے ، جہاں صرف خدا کے پیغمبر وجدان کی حالت میں پہنچ سکتے ہیں .... اس حالت میں جبکہ روحیں ابد کا لبادہ اوڑھ لیتی ہیں ۔

امینہ : اس سرزمین پر جو بھی دیکھی یا ان دیکھی چیز ہے وہ روحانی ہے میں اس سنہری شہر میں جسم کے ساتھ داخل ہوئی اور یہ جسم میری روحِ عظیم کا ایک بہت بڑا مظہر ہے اور جو تمام شخصی حیثیتوں میں ایک عارضی تہ خانہ ہے جس میں روح کا خزانہ محفوظ رہتا ہے ۔ میں ارم میں اس حالت میں داخل ہوئی کہ میرا جسم میری روح میں پوشیدہ تھا اور اس زمین پر دونوں چیزیں ہر وقت ساتھ ساتھ رہتی ہیں اور جو شخص روح کو جسم سے یا جسم کو روح سے الگ کرنے کی کوشش کرتا ہے وہ اپنے دل کو سچائی سے دور رکھنے کا منصوبہ باندھتا ہے ۔ پھول اور اس کی خوشبو ایک ہی چیز کے دو نام ہیں اگر کوئی اندھا .... پھول کے نقش اور رنگ پر سے انکار کر دے اور یہ کہے کہ پھول کی بو ہی صرف فضا میں لہریں لے رہی ہے ۔ تو وہ اس شخص کی طرح ہوگا جس کی ناک بند ہو چکی ہے اور وہ یہ اعلان کرے کہ پھول میں صرف نقش اور رنگ ہی ہے اس میں بو کا نام تک نہیں ۔

نجیب : اس کا مطلب یہ ہے کہ بلند میناروں کا شہر ارم محض ایک روحانی مقام ہے

امینہ : شفقت بھرے لہجہ میں ، وقت اور مقام دونوں روحانی مملکتیں ہیں اور جو کچھ بھی سماعت اور بصارت کے لیے ہے وہ سب روح سے تعلق رکھتا ہے اگر تم اپنی آنکھوں کو بند کر دو تو اپنے قلب کی گہرائیوں میں تمام اشیاء کو

دیکھ لو گے تم دنیا کو جسمانی اور لطافتی رنگ میں دیکھو گے اور اس کی مقصود کلیت تمہارے سامنے ہو گی، تم ضروری قوانین اور تدابیر سے متعارف ہو جاؤ گے اور تم اس عظمت سے آگاہ ہو گے جو قرب سے بہت دور اس کے قبضے میں ہے، ہاں .... اگر تم اپنی آنکھیں بند کر لو اور اپنے قلب کی گہرائیوں کو بے نقاب اور تصورات دروں کا افتتاح کر دو تو تمہیں اس زندگی کے آغاز اور انجام کے راز کو پالو گے .... وہ آغاز جو اپنے پہلو پر انجام بن جاتا ہے اور انجام جو یقیناً آغاز کی پہلی کرن ہے۔

نجیب: کیا ہر انسان اس بات کا اہل ہے کہ وہ اپنی آنکھوں کو بند کرنے کے بعد زندگی اور کائنات کی صداقت کو بے نقاب دیکھ سکے۔

امینہ: خدا نے انسان کو یہ قدرت عطا کی ہے کہ وہ امید کا دامن نہ چھوڑے اور بڑی شدت کے ساتھ امید سے وابستہ رہے۔ یہاں تک کہ وہ جس امید پر بھروسہ کئے بیٹھا ہے وہ اس کی آنکھوں سے قعرِ فراموشی میں گم ہو جاتی ہے اور اس کے بعد انجام کار وہ اپنی صحیح ذات کا مشاہدہ کرے گا اور جو شخص اپنی صحیح ذات کا مشاہدہ کر لیتا ہے، وہ اپنے لیے تمام انسانیت کے لیے اور جملہ موجودات کے لیے زندگی کی صحیح حقیقتوں سے آگاہ ہو جاتا ہے،

نجیب: اپنے دونوں ہاتھ اپنی چھاتی پر رکھتے ہوئے پھر مطلب یہ ہوا کہ اس کائنات میں جو کچھ دیکھ اور سن رہا ہوں یا چھو رہا ہوں یہ سب کچھ میرے دل میں موجود ہے

امینہ: اس کائنات میں تمام چیزیں تمہارے اندر اور تمہارے لئے معرضِ وجود میں آتی ہیں،

نجیب: پھر میں یہ بات بڑی سچائی کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ بلند میناروں کا شہر ارم یہاں سے بہت دور نہیں ہے بلکہ میرے اندر ہی موجود ہے۔ وہی ہستی جو نجیب رحمی کے نام سے زندہ ہے۔

امینہ: کائنات کی تمام چیزیں تم میں موجود ہیں اور جو کچھ تمہارے اندر ہے وہ کائنات میں ہے تمہارے اور تمہارے قریب ترین چیز میں کوئی سرحد نہیں اور تمہارے اور تم سے بعید ترین چیز میں کوئی فاصلہ نہیں اور تمام چیزیں پست ترین سے بلند ترین اور کم ترین سے عظیم ترین تک سب تمہارے اندر مساوی درجہ رکھتی ہیں ایک ذرے میں زمین کے سارے عناصر موجود ہے۔ تصور کی ایک حرکت میں ہستی کے تمام قوانین کی حرکتوں کا راز مضمر ہے۔ ایک قطرے میں لامحدود سمندروں کے رازہائے سربستہ عیاں ہیں ایک تمہاری ذات کی کیفیت میں ہستی کی تمام کیفیتیں موجود ہیں۔

نجیب: اس وسیع ترین موضوع سے مرعوب ہو کر وہ کچھ لمحوں کے لیے رک گیا۔ تاکہ اپنی ہدایت میں مکمل طور پر جذب کرے، مجھے یہ بتایا گیا ہے کہ صحرا ربع الخالی کے وسط میں پہنچنے سے پہلے آپ نے بہت دنوں تک سفر کیا۔ اس کے بعد آپ کے باپ کی روح ظاہر ہوئی اور اس نے آپ کو اس صحرا نوردی سے نکال کر صحیح راستہ بتایا یہاں تک کہ آپ اس سنہری شہر میں پہنچ گئیں۔ اگر کوئی شخص اس شہر کی حدوں میں داخل ہونا چاہے تو کیا اس کی بھی روحانی کیفیت وہی ہونی چاہیے جو اس وقت آپ کی تھی اور وہی عقل و فراست اس کے قبضۂ قدرت میں ہو جو آپ کو حاصل تھی تاکہ وہ اس مقدس مقام میں داخل ہو سکے جہاں آپ گئی تھیں۔

امینہ: ہم نے صحرا کو عبور کیا۔ بھوک اور پیاس کی شدت، دن کے اندیشے اور رات کی دہشتیں اور ابدیت کی خوف انگیز خاموشیاں ہمارے راستے میں آئیں۔ تاآنکہ ہم نے سنہری شہر کی دیواروں کو دیکھا لیکن بہت سے ایسے لوگ بھی تھے جو ایک قدم چلنے کے بغیر اس شہر میں ہم سے پہلے پہنچ گئے اور محبتوں میں کھو گئے۔ میں تم سے سچ کہہ رہی ہوں کہ بہت سے لوگ اس شہر میں داخل ہوئے حالانکہ وہ اپنے وطن سے کبھی باہر نہیں نکلے۔

(امینہ خود ہی ایک وقفہ پیدا کرتی ہے اور ایک لمحہ کے لیے خاموش ہو جاتی ہے پھر وہ اپنے ارد گرد درختوں اور حنا کے پودوں کی طرف اشارہ کرتی ہے اور بات جاری رکھتی ہے۔

ہر وہ بیج جس کو موسم خزاں زمین کے سینے میں پھینکتا ہے، اس کے پوست سے مغز تک پھٹنے کے مختلف طریقے ہیں۔ اس کے بعد پتے معرضِ وجود میں آتے ہیں اور پھر پھول اور آخر میں پھل۔ لیکن اس کارگزاری اور طریقے سے بے نیاز رہ کر یہ پودے بہرحال ایک مقدس سفر ضرور اختیار کرتے ہیں اور ان کا سب سے بڑا مقصد زندگی یہ ہے کہ وہ سورج کے رخ کے سامنے کھڑے ہیں۔

زین: (امینہ کی باتوں سے انتہائی متاثر ہو کر زین بڑے دلربا انداز میں اِدھر اُدھر جھومتا ہے گویا کسی اعلیٰ دنیا میں پہنچ گیا ہے اور بڑی کیفیت انگیز اور دعائیہ انداز میں پکار اٹھتا ہے، اللہ اکبر! لا الٰہ الّا اللہ، وہ رحیم ہے جو ہماری تمام حاجتوں کو جانتا ہے۔

امینہ: اللہ اکبر........ لا الہ الا اللہ، اللہ کے سوا کچھ بھی نہیں۔

(زین امینہ کے الفاظ کو سرگوشی میں دہراتا ہے اور جوش سے وہ کانپ رہا ہے)

نجیب: (امینہ کی طرف مبہوت ہو کر دیکھتا ہے اور پھر مضبوط لیکن باغیانہ سے لہجے میں کہتا ہے) سوائے خدا کے اور کوئی خدا نہیں۔

امینہ: (ذرا متحیر ہو کر) لا الہ الا اللہ، سوائے اللہ کے اور کچھ بھی نہیں، تم یہ الفاظ کہہ کر بھی عیسائی رہ سکتے ہو۔ خدا بہت ہی اچھا ہے اور وہ اپنے ناموں میں کبھی امتیاز اختیار نہیں کرتا اور اگر خدا اپنی نعمتیں ان لوگوں پر بند کردے جو ابد تک پہنچنے کے لیے کوئی مختلف راستہ اختیار کئے ہوئے ہیں تو پھر دنیا میں ایک بھی انسان خدا کے حضور میں اپنی التجا پیش نہیں کر سکتا[1]

نجیب: اپنا سر جھکاتا ہے اور آنکھیں بند کر کے امینہ کے الفاظ کو دہراتا ہے جو اس نے اللہ تعالیٰ کے لیے استعمال کئے اور پھر سر اٹھا کر کہتا ہے، میں وہی الفاظ استعمال کروں گا جو مجھے خدا تک پہنچنے کے لیے سیدھا راستہ دکھائیں اور میں اپنی زندگی کے آخری سانس تک وہ الفاظ دہراتا جاؤں گا۔ کیونکہ میں سچائی کا متلاشی ہوں اور میری دعائیں اس خدا کے لیے ہیں جو خدا ہے اور جس کو مختلف ناموں سے پکارا جاتا ہے، میں خدا سے محبت کرتا ہوں...... زندگی بھر میں خدا سے محبت کرتا رہوں گا۔

امینہ: تمہاری زندگی کا خاتمہ نہیں ہو سکتا........ تم ہمیشہ زندہ رہو گے۔

نجیب: آخر میں کون ہوں ؟ کیا ہوں........ کہ ابدیت کی زندگی میرے

---

[1] مشرق قریب کے راسخ العقیدہ عیسائیوں کو یہ تعلیم دی جاتی ہے کہ مسلمانوں کی کوئی دعا خدا کے لیے استعمال کرنا بہت بڑا گناہ ہے۔

لیے ہے۔

امینہ: تم تم ہو اور اس کا مطلب یہ کہ تم خدا کی تخلیق ہو اس لیے تم سب کچھ ہو۔

نجیب: امینہ مقدس! یہ تو میں جانتا ہوں کہ وہ جن ذرّوں سے میری ذات مرتب ہوئی ہے وہ اس وقت تک موجود رہیں گے جب تک میں زندہ ہوں۔ لیکن کیا وہ تصور جو میری انانیت سے تعلق رکھتا ہے، وہ بھی قائم رہے گا؟ کیا یہ دھندلی سی نئی بیداری نور کی ہلکی سی سپیدی میں لپٹی ہوئی بھی باقی رہ جائے گی۔ کیا یہ امیدیں، آرزوئیں، مسرت اور غم و الم کا وجود بھی رہے گا۔ کیا میرے خوابوں کے ہچکولوں کی لرزاں کیفیتیں جو سچائی کی روشنی میں درخشاں ہو جاتی ہے اسی طرح اصلیت کے رنگ میں نظر آئیں گے۔

امینہ: (آسمان کی طرف نگاہیں بلند کرتی ہے گویا مقامات کی گہرائیوں تک پہنچنا چاہیں۔ پھر صاف اور زوردار آواز میں کہتی ہے) ہر وہ چیز جو یہاں موجود ہے اسے بقائے دوام حاصل ہے اور لفظ وجود کا وجود ہی اس کی مداومت کا بہت بڑا ثبوت ہے لیکن ہستی کامل کے علم کے احساس کے بغیر انسان یہ نہیں سمجھ سکتا کہ .... یہ سب کچھ وجود تھا یا عدم .... اگر وہ منصۂ شہود سے غائب ہو گئی تو پھر بہت بڑی عظمتوں کے نقوش اپنے ساتھ لیے وہ واپس آئے گی اور اگر یہ محو خواب ہے تو وہ اپنے خوابوں میں کھو کر حسین و جمیل بیداری کا آغاز کرے گی۔ کیونکہ جب بھی اس کی دوبارہ پیدائش ہوتی ہے تو پہلے سے عظیم تر ہو جاتی ہے۔

ان لوگوں کی حالت کس قدر قابل رحم ہے جو ابد کو ان عناصر سے وابستہ کرتے

ہیں جو آنکھ سے تعلق رکھتے ہیں اور پھر مختلف اشیاء جن میں ابدیت پوشیدہ ہے
ان کو دیکھ کر وہ ابدیت پر شبہ کرتے ہیں۔

مجھے اس شخص سے ہمدردی ہے جو حیات کو دو حصوں میں منقسم کر دیتا ہے
اور ایک حصے پر اعتماد کرتا ہے اور دوسرے حصے کو شک و شبہ کی نگاہ سے دیکھتا
ہے۔ مجھے اس شخص کو دیکھ کر دکھ ہوتا ہے جو ان کوہستانی سلسلوں اور میدانوں
کو دیکھتا ہے جن پر آفتاب اپنی کرنیں پھینکتا ہے جو بادِ صبا کے ہلکے ہلکے گیتوں
کو سنتا ہے اور پھولوں کی خوشبو اپنے سانس کے ساتھ اندر لے جاتا ہے اور پھر
اپنے آپ سے کہتا ہے "نہیں ...... جو کچھ میں دیکھ رہا اور سن رہا ہوں
سب عارضی ہے اور جو کچھ میں جانتا اور محسوس کرتا ہوں سب نابود ہو جائے گا"
یہ عاجز روح جو اپنے ماحول میں غموں اور مسرتوں کو بڑے ادب سے دیکھتی
اور محسوس کرتی ہے اور پھر ان کے وجود سے انکار کر دیتی ہے وہ فضا میں بخارات
کی طرح غائب ہو جائے گی کیونکہ وہ شخص صداقت سے آنکھیں موند کر اندھیروں
کی تلاش میں چل نکلا ہے یقیناً یہ شخص ایک زندہ انسان ہے لیکن اپنے وجود
سے منکر ہے کیونکہ خدا کی کائنات کی دوسری چیزوں سے انکار کر رہا ہے۔

نجیب: (پرجوش لہجہ میں) امینہ مقدس! مجھے اپنی ہستی پر پورا یقین ہو چکا ہے اور
وہ شخص جو تمہاری باتیں سن لے اور پھر یقین نہ کرے۔ وہ انسان نہیں بلکہ
چٹان کا ایک سنگلاخ ٹکڑا ہے۔

امینہ: خدا نے ہر انسان کی روح میں نورِ عظیم تک پہنچنے کے لیے ایک رہنما مقرر کر رکھا
ہے لیکن انسان اپنے وجود سے باہر زندگی کی جستجو کرتا ہے اور وہ اس بات

سے بے خبر ہے کہ وہ زندگی تو اس کی روح کی گہرائیوں میں موجود ہے۔
نجیب: کیا ہمارے جسم سے باہر بھی کوئی ایسی روشنی ہے جس سے ہم اپنے دل کی گہرائیوں کو منور کر سکیں؟ کیا ہم میں کوئی ایسی قوت موجود ہے جس سے ہماری روحیں بیدار ہو جائیں اور ہمارے زندہ خود فراموش احساس کو بیدار کر کے ابدی علم کی طرف رہنمائی کرے؟ وہ چند لمحوں کے لیے خاموش ہو گیا۔ گویا کچھ اور کہنے سے ہچکچا رہا ہے۔ پھر گویا وہ اپنے خوف پر غالب آ کر کہتا ہے۔ کیا تمہارے باپ کی روح نے تمہیں روح کی ارضی گرفتاریوں کا راز بے نقاب نہیں کیا تھا؟

امینہ: کسی خالی مکان کے دروازے پر دستک دینا۔ اثر کے لیے بے سود ہے انسان اپنے وجود کے عدم اور ماحول کی حقیقتوں کے درمیان خاموش کھڑا ہے جب تک وہ چیز ہمارے قبضے میں نہیں جو ہمارے اندر ہے تو پھر ہم اپنے ماحول کو اپنے بس میں نہیں لا سکتے۔ میرے باپ کی روح نے مجھے اس وقت پکارا جب میری روح نے اس کی روح کو آواز دی اور مجھے بیرونی علم سے آگاہ کیا جبکہ میں اندرونی علم سے باخبر ہو چکی تھی۔

اس لیے یہ ایک سادہ سی مثال ہے کہ اگر مجھ میں بھوک اور پیاس بیدار نہ ہوتی تو میں اپنے ماحول سے خوراک اور پانی کس طرح حاصل کر سکتی تھی اور اگر مجھ میں آرزو اور محبت کا جذبہ نہ ہوتا تو میں "سنہری شہر" میں اپنی آرزو اور محبت کا مضمون تلاش نہ کر سکتی۔

نجیب: کیا یہ بات ہر شخص کے بس میں ہے کہ وہ اپنی آرزو اور محبت کی رگوں میں ایک ایسا رشتہ پیدا کرے کہ وہ اپنی اور فرقت زدہ روح کے درمیان تعلق

پیدا کرے؟ کیا ایسی خوبیوں کے لوگ بھی موجود ہیں جو روحوں سے باتیں کر سکیں۔
اور ان کی مرضی اور مقاصد کو سمجھ سکیں؟
امینہ: ساکنانِ ابد اور ارضی باشندوں کے درمیان ایک مسلسل رابطہ موجود ہے اور جو
ایک اَن دیکھی قوت کے زیر اثر تعمیل پذیر ہوتا ہے۔ اکثر اوقات ایک فرد اس
یقین پر ایک فعل بروئے کار لاتا ہے کہ وہ اسے ایک فطری آزادی اور طبعی میلان
کی وجہ سے کر رہا ہے لیکن فی الاصل کوئی اور طاقت ہی اس کی راہنمائی کر رہی
ہوتی ہے۔ بہت سی عظیم شخصیتوں نے روح کے سامنے سر تسلیم خم کر کے عظمت
اور شوکت حاصل کی۔ انہوں نے روح کے مطالبات کے سامنے سر موانحراف
نہ کیا جیسا کہ ستار اپنے آپ کو بلند پایہ موسیقار کے سپرد کر دیتی ہے۔

دنیائے روح اور مادہ کے درمیان ایک راستہ بھی موجود ہے جس پر ہم نیم
بے ہوشی کی حالت میں چلتے جا رہے ہیں۔ یہ راستہ ہمارے لیے ہیں لیکن
ہم اس کی قوتوں سے بے خبر ہیں اور جب ہوش میں آتے ہیں تو ہمارے ہاتھ
میں وہ بیج ہوتے ہیں جو ہماری روزمرہ کی زندگیوں کی زرخیز زمین میں بونے
ہوتے ہیں جن سے اعمالِ صالح اور حسین الفاظ کی فصل پکتی ہے اگر ہماری
زندگیوں اور ماضی کی روحوں کے درمیان یہ راستہ نہ ہوتا تو لوگوں کے درمیان
کوئی پیغمبر یا شاعر معرضِ وجود میں نہ آتا۔

(امینہ اپنی آواز کو سرگوشی کی حد تک لے جاتی اور کہتی ہے)
میں تمہیں یقین سے کہہ رہا ہوں اور وقت کی رفتار اس کو ثابت کرے گی
کہ عالمِ ارضی اور عالمِ بالا کے مابین ویسا ہی ایک رشتہ موجود ہے۔ جیسا کہ ماں اور

بچے میں ہوتا ہے۔ ہم ایک وجدانی ماحول میں گھرے ہوئے ہیں جو ہمارے شعور کو اپنی طرف جذب کرتا ہے اور ایک ایسا ادراک ہے جو ہماری قوتِ فیصلہ میں توازن پیدا کرتا ہے۔ اور ایک ایسی قوت ہے جو ہماری قولوں کو نئی زندگی بخشتا ہے۔

میں نہیں کہتی ہوں کہ ہمارے شکوک اس چیز کو ناپسند نہیں کرتے جس کے متعلق ہم شک کرتے ہیں اور نہ ہی ہماری اطاعت گزاری کے سامنے کوئی دیوار کھڑی کر سکتے ہیں اور اپنی مسرتوں میں کھو جانے کے دوران میں روحوں کے مقاصد کی تکمیل نہیں رُک سکتی۔ روحانی حقائق سے آنکھیں بند کر لینے سے ہم کائنات کی آنکھوں سے اوجھل نہیں ہو سکتے۔ اگر روحیں رواں دواں ہیں تو ہم اگر ٹھہر بھی جائیں تو پھر بھی چلتے رہتے ہیں۔ ہم روحوں کی حرکت کے ساتھ حرکت کرتے رہیں گے خواہ ساکن ہو جائیں...... اگر ہم خاموش ہو جائیں تو روحوں کی آواز کے ساتھ ہم عالمِ گفتار میں رہیں گے۔

ہماری نیند روحوں سے بیداری کے اثرات کو دور نہیں کر سکتی اور نہ ہی ہماری بیداری ان کے خوابہائے دلنشیں کے اثر کو زائل کر سکتی ہے۔ ہم اور وہ روحیں دو دنیاؤں میں رہ کر ایک ہی عالم سے مربوط ہیں......... ہم اور وہ دو دو زندگیاں ہیں لیکن ایک ہی بلند ترین اور ابدی شعور سے متحد ہیں جو کائنات سے بلند ترین ہے اور جو آغاز اور انجام سے بے نیاز ہے۔

بجیب: (لہجہ میں مسرت ہے کیونکہ وہ اب اپنے بلند تخیلات کے راستے پر آکر سوچنے لگا ہے) کیا وہ بھی دن آئے گا جب انسان علوم طبعی اور تجربات کی وساطت سے ان قوتوں کو معلوم کر سکے گا جو روحوں نے یزداں کے وسیلے

سے محسوس کیا ہے اور جن کو ہمارے دل آرزوؤں کے توسط سے پا چکے ہیں ؟
کیا ہماری خودی کو ابدیت کا رنگ دینے کے لیے موت کا انتظار ضروری ہے
کیا وہ دن بھی آئے گا کہ ہم رازہائے سربستہ کو اپنے ہاتھوں کی انگلیوں سے
لمس کر سکیں جو اس وقت عقیدے سے محسوس کیے جا سکتے ہیں۔

امینہ : ہاں ۔ وہ دن ضرور آئے گا لیکن کتنے بے خبر ہیں وہ لوگ جو کسی سوال کے
بغیر تجریدی زندگی کو چند حواس کے ذریعے محسوس کرتے ہیں اور پھر اس بات پر
اصرار کرتے ہیں کہ وہ اس زندگی کو جملہ حواس کے ذریعے بے نقاب دیکھنا چاہتے
ہیں ، کیا عقیدۂ دل کی مکمل حس نہیں جس طرح آنکھوں کی حسِ نگاہ ہے ؟
وہ شخص کتنا تنگ نظر ہے جو کوئل کا راگ سنتا ہے اور اسے شاخوں پر
منڈلاتے دیکھتا ہے پھر بھی وہ کہتا ہے کہ جب تک میں اس پرندے کو ہاتھ
میں دبوچ لوں اس وقت تک جو کچھ میں نے سنا اور دیکھا وہ قابل شبہ ہے ،
کیا اس کے حواس کا ایک حصہ درست نہیں ؟ کتنی عجیب بات ہے کہ ایک
شخص حسین حقیقتوں کا خواب دیکھتا ہے اور جب وہ ان کو صورت کے
سانچے میں ڈھالنا چاہتا ہے اور ناکام رہتا ہے تو پھر وہ اپنے خوابوں کو شک و
شبہ کی نگاہ سے دیکھتا ہے حقیقتوں کو جھٹلاتا اور حسن کو بداعتمادی کی نگاہ سے
دیکھتا ہے۔

اس شخص کی آنکھوں کو کیا کہیے جو حقیقت کو صورت اور زاویوں کے تصور
میں لے آتا ہے اور جب وہ سطحی پیمانے اور الفاظ کے معیار پر انہیں ثابت
نہیں کر سکتا تو پھر وہ یہ سوچنے لگتا ہے کہ اس کے تصورات اور تخیلات باالکل

بے معنی ستے۔ اگر وہ خلوص کے ساتھ ان حادثات پر غور کرے تو اسے اس امر کا یقین ہو جاتا ہے کہ اس کے تصورات میں اتنی ہی حقیقت تھی جیسا کہ پرندہ آسمان پر پرواز کر رہا ہو لیکن اسے ابھی جلا نہیں ملی اور وہ تصور وسیع علم کا ابھی ایک ذرہ ہے۔ جس کو اعداد و شمار اور الفاظ سے ثابت نہیں کیا جا سکتا۔ اور وہ روح کی اتھاہ گہرائیوں میں موجود ہوتا ہے اور حقیقت کے وجود میں ڈھالا نہیں جا سکتا۔

مجیب: الجسس سے آیا ہر تصور میں صداقت ہوتی ہے اور ہر خیال علم حقیقی میں موجود ہوتا ہے؟

امینہ: لاریب روح کا آئینہ کسی تصور کو اپنے اندر جذب نہیں کر سکتا۔ تاوقتیکہ وہ تصور سامنے موجود نہ ہو۔ کسی جھیل کے لیے یہ ناممکن ہے کہ کسی پہاڑ یا درخت یا بادل کو اپنی گہرائیوں میں معکوس کرے جبکہ وہ پہاڑ یا درخت یا بادل اس کے کنارے کے نزدیک نہ ہوں۔ روشنی کے لیے یہ ناممکن ہے کہ زمین پر کسی ایسی شے کا سایہ دراز نہ کرے جو شے موجود نہ ہو۔ کوئی چیز نہ دیکھی جا سکتی ہے نہ سنی جا سکتی ہے اور نہ محسوس کی جا سکتی ہے جب تک کہ اس کا وجود نہ ہو۔ جب تم کسی بات کو جان لیتے ہو پھر تم اس پر یقین رکھتے ہو لیکن صادق تسلیم کرنے والا وہ ہے جو اپنی جسمانی آنکھوں سے نہیں بلکہ روحانی آنکھوں سے مشاہدہ کرتا ہے۔ وہ اپنے اندرونی تصور سے ان باتوں کو پا لیتا ہے۔ جن کو بیرونی حقیقت سے دیکھنے والا دیکھ نہیں سکتا۔

صاحب ایمان اپنے آپ کو اس مقدس حقائق سے ایسے عمیق تصور متعارف

کرتا ہے جس کو دوسرے استعمال نہیں کر سکتے۔ دل میں یقین کی دولت رکھنے والا اپنے حواس کو اس طرح دیکھتا ہے گویا اس کے چاروں طرف ایک بلند دیوار نے گھیرا ڈال لیا ہو اور جب وہ اپنے راستے پر چلتا ہے وہ کہتا ہے "اس شہر سے باہر نکلنے کے لیے کوئی راستہ نہیں یہ بذاتِ خود مکمل شہر ہے"

رامینہ کھڑی ہو جاتی ہے اور نجیب کی طرف آتی ہے اور پھر ایک وقفہ کے بعد کہتی ہے! صاحب یقین کے دن اور راتیں زندہ و پائندہ ہیں اور وہ جو یقین نہیں رکھتا صرف چند گھنٹے کے لیے زندہ رہتا ہے۔

اس شخص کی زندگی کتنی مختصر ہے جو دنیا اور اپنے درمیان اپنے ہاتھوں کی ہتھیلیاں پھیلا دیتا ہے اور صرف اپنے ہاتھ کی تنگ لکیریں دیکھتا ہے۔

وہ لوگ کتنے نا انصاف ہیں جو آفتاب کی طرف پیٹھ کر کے کھڑے ہو جاتے ہیں اور زمین پر صرف اپنے سائے کو دیکھتے ہیں۔

نجیب: (رخصت ہونے کے لیے کھڑا ہوتا ہے) کیا میں لوگوں سے یہ بات جا کر کہہ دوں کہ بلند میناروں کا شہر ارم خوابوں کی ایک روحانی بستی ہے اور رامینہ وہاں صرف محبت اور آرزوؤں کی شدت کے باعث پہنچی ہے اور ایمان کے دروازے سے اس میں داخل ہوئی ہے۔

امینہ: ہاں، انہیں بتا دو کہ ارم بلند میناروں کا شہر حقیقت میں ایک شہر ہے۔ اس میں سمندر، پہاڑ، جنگل اور صحرا موجود ہیں اور جو چیز ابدی ہو وہ حقیقی ہوتی ہے انہیں یہ بھی بتا دو کہ امینہ نے صحرا عبور کیا، اس نے سفر کی ساری صعوبتیں برداشت کیں، بھوک اور پیاس کی درد انگیز حالت کو دیکھا اور تنہائی کے دکھ بھی جھیلے

انہیں یہ بتادو کہ یہ "سنہری شہر" زمانوں کی دیو ہیکل شخصیتوں کے ضمیر نے تعمیر کیا۔ یہ لوگوں کی نظروں سے اوجھل نہیں کیا گیا تھا بلکہ لوگوں نے اپنے آپ کو اس سے اوجھل کر لیا۔ .... اور یہ بھی کہہ دینا کہ جو شخص اوم تک پہنچنے سے پہلے اپنا راستہ کھو بیٹھتا ہے، اس میں راستے کی مشکلات کو نہیں بلکہ رہنما کو مورد الزام ٹھہرانا چاہیئے۔ یہ بھی بتا دینا کہ جو شخص صداقت کی آگ سے اپنی شمع روشن نہیں کرتا اس کے لیے یہ راستہ تاریکیوں میں لپٹا رہے گا اور وہ اس سے گزر نہیں سکے گا۔

امینہ آسمان کی طرف دیکھتی ہے اس کی نگاہوں میں محبت موجزن ہے اور اس کے چہرے پر اطمینان اور لطافت ٹپک رہی ہے۔

نجیب: اب شام چھا چکی ہے اور پیشتر اس کے کہ اندھیرے راستوں کو اپنی لپیٹ میں لیں مجھے اپنی بستی میں چلے جانا چاہیئے۔

امینہ: خدا کی رہنمائی میں تمہیں روشنی نظر آئے گی۔

نجیب: میں اس مشعل کی روشنی میں آگے بڑھوں گا جو تم نے میرے کانپتے ہوئے ہاتھوں میں دے دی ہے۔

امینہ: سچائی کی روشنی میں اپنے قدم آگے بڑھاؤ۔ اس روشنی کو کوئی بجھا نہیں سکتا۔

امینہ بڑے تعمق کے ساتھ نجیب کو دیکھتی ہے۔ اس کے چہرے پر ماں کی محبت کے جذبات موجزن ہیں، پھر وہ مشرق کی طرف درختوں کے جھنڈ کی طرف چلی جاتی ہے اور غائب ہو جاتی ہے۔

زین العابدین: کیا میں تمہارے ساتھ تمہارے لوگوں تک جا سکتا ہوں؟

نجیب: مجھے بڑی خوشی ہوگی۔ مجھے یہ خیال تھا کہ تم امینہ مقدس کے نزدیک ہی رہتے ہونگے۔ میں رشک کے مارے یہ کہتا تھا "کاش میں یہاں رہ سکتا"۔

زین: ہم سورج سے دور رہ کر ہی زندگی بسر کر سکتے ہیں۔ سورج کے نزدیک زندہ رہنا ناممکن ہے لیکن ہم سورج کے بغیر زندہ بھی نہیں رہ سکتے ہیں۔ یہاں امینہ کی دعائیں اور نعمتیں حاصل کرنے کے لیے آتا ہوں اور پھر مطمئن ہو کر رخصت ہو جاتا ہوں۔

نجیب اپنے گھوڑے کی باگیں کھولتا ہے اور زین کے ساتھ گھوڑا ہاتھ میں پکڑے پیدل روانہ ہو جاتا ہے۔

*****

ایک جشن کی شام

شام ہوئی اور شہر اندھیرے کی لپیٹ میں آگیا۔ البتہ محلوں اور جھونپڑیوں اور ودکالنوں سے روشنی کی کرنیں نکل رہی تھیں۔ گلیاں ہجوم سے بھرپور تھیں۔ لوگوں نے پرتکلیف لباس پہن رکھا تھا۔ ان کے چہروں سے عشائے ربانی کا جوش اور اطمینان موجود تھا۔

میں ہجوم کے شور و شغب سے بچ کر اکیلا چلنے لگا اور اس انسانِ عظیم کے متعلق سوچنے لگا جس کی عظمت کے گیت آج گائے جا رہے تھے اور میرے دل و دماغ پر وہ عظیم المرتبت شخصیت چھا گئی جو افلاس کے ماحول میں پیدا ہوا تقدس اور پاک دامنی سے بھرپور زندگی بسر کی اور صلیب پر اپنی جان دی۔

میں اس مشعل سوزاں کی طرف غور کرنے لگا جو شام کے اس گاؤں میں روح القدس نے فروزاں کی تھی ... یہ وہی روح القدس ہے جو صدیوں سے فضا پر منڈلا رہی ہے اور اسی کی سچائی ہے جو ایک تہذیب سے گزر کر دوسری میں نفوذ کرتی ہے۔

جب میں باغ میں پہنچا تو میں ایک کہنہ سے نیمکت پر بیٹھ گیا اور بے برگ مجاد درختوں کے درمیان سے شہر کی گلیوں کو دیکھنے لگا جشن منانے والوں کے گیت

میرے کانوں میں گونجنے لگے۔

ایک گھنٹہ تک میں غور و فکر میں ڈوبا رہا۔ اس کے بعد میں نے نگاہیں اور گرد دوڑائیں۔ میں نے دیکھا کہ ایک شخص چھوٹی سی ٹہنی ہاتھ میں لیے زمین پر مہمل سے نقوش بنا رہا ہے۔ یہ کہاں سے آگیا۔ میں یہ سوچ کر حیران سا رہ گیا۔

میں نے دل میں کہا "یہ شخص بھی میری طرح تنہا ہے"

میں نے اس کی طرف غور سے دیکھا۔ اس کا لباس پرانی طرز کا تھا۔ سر کے بال لمبے تھے لیکن وہ بڑا پر وقار انسان معلوم ہوتا تھا۔ غالباً اسے بھی اس امر کا احساس ہو گیا کہ میں اس کے متعلق سوچ رہا ہوں۔ وہ کہنے لگا۔ شام بخیر،

میرے بیٹے!"

میں نے جواب دیا

"آپ کو بھی شام بخیر۔"

اس کے بعد اس نے زمین پر پھر نقوش بنانا شروع کر دئے، اور اس کی عجیب و غریب راحت انگیز آواز میرے کانوں میں گونج رہی تھی۔

میں نے سکوت توڑا:

"کیا آپ اس شہر میں اجنبی ہیں؟"

اس نے کہا:

"ہاں! میں اس شہر میں بلکہ ہر شہر میں اجنبی ہوں۔"

میں نے تسلی آمیز لہجے میں کہا:

"جب جشن منایا جا رہا ہو تو پھر اجنبی کو یہ احساس نہیں ہونا چاہیئے کہ وہ

اجنبی ہے لوگ آپ سے مہربانی اور فراخدلی سے پیش آئیں گے۔
اس نے کہا اور اس کی آواز میں تکان تھی
"میں ان جشن کے دنوں زیادہ اجنبیت محسوس کرتا ہوں"
یہ کہہ کر اس نے شفاف آسمان کی طرف دیکھا۔ اس کی نگاہیں ستاروں کی دنیا سے پرے نکل گیئں۔ اس کے ہونٹوں پر ارتعاش پیدا ہوا گویا اس نے آسمانوں میں ایک دور دراز ملک کا پرتو دیکھا ہے۔ مجھے اس کی بات میں ایک بات نظر آئی اور میں نے کہا۔
"یہ سال کا وہ دن ہے۔ جب تمام لوگ ایک دوسرے پر مہربانی فرماتے ہیں۔ امیر غریب پر نگاہِ کرم ڈالتے ہیں اور طاقتور انسان کمزوروں پر ترس کھاتے ہیں۔
اس نے جواب دیا۔ ہاں، امیروں کا وقتی طور پر نگاہ کرم ڈالنا زیادہ تلخ ہوتا ہے اور طاقت وروں کی کمزوروں سے ہمدردی سوائے اس کے اور کچھ نہیں کہ یہ ایک یاددہانی کریں کہ وہ طاقتور ہیں۔
میں نے اتفاق کرتے ہوئے کہا: "آپ کی بات میں ایک وزن ہے لیکن غریبوں اور کمزوروں کو اس سے کیا کہ امیروں کی نیت کیا ہے۔ بھوکے کو اس بات سے کوئی سروکار نہیں ہوتا کہ وہ روٹی جو اسے ملی ہے وہ کس طرح گوندھی اور پکائی گئی تھی"
اور اس نے جواب میں کہا:
وہ شخص جو لیتا ہے وہ ان باتوں کو ذہن میں نہیں رکھتا لیکن وہ جو دیتا ہے

اس پر احساس کا بوجھ یقیناً ہونا چاہیئے کہ اس نے برادرانہ محبت اور دوستانہ امداد
کے طور پر یہ اقدام کیا ہے تاکہ ذاتی عظمت اور وقار کی خاطر "۔

میں اس کے اوراک پر حیران رہ گیا اور اس کی شکل وصورت اور لباس
پہننے پر غور کرنے لگا۔ پھر میں نے سوچتے ہوئے کہا۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو امداد کی ضرورت ہے۔ کیا آپ مجھ سے کچھ سکے
قبول کر سکتے ہیں ؟"

اس کے ہونٹوں پر ایک غمگین مسکراہٹ نمودار ہوئی اور اس نے کہا!

"ہاں مجھے امداد کی بے حد ضرورت ہے لیکن سونے اور چاندی کی نہیں"

میں نے تذبذب کے لہجے میں کہا۔

"تو پھر آپ کو کس چیز کی ضرورت ہے ؟"

اس نے کہا!

"میں پناہ ڈھونڈ رہا ہوں، مجھے ایک ایسی جگہ کی ضرورت ہے جہاں میرے
دل ودماغ کو سکون مل سکے :

میں نے کہا۔

"آپ مجھ سے یہ دو دینار لیں اور سرائے میں جا کر قیام فرمائیں۔

اس نے غمگین ہو کر کہا :

"کیا کروں"، میں ہر سرائے میں مقیم ہو چکا ہوں، میں نے ہر دروازہ کھٹکھٹایا
ہے لیکن یہ سب بے سود تھا۔ میں غذا کی ہر دکان میں داخل ہوا لیکن کوئی دھیری
امداد نہ کر سکا۔ میں زخم خوردہ ہوں، بھوکا نہیں، میں مایوس ہوں، درندہ نہیں،

میں چھت تلاش نہیں کرتا بلکہ انسانی پناہ کا متلاشی ہوں"۔

میں نے اپنے آپ سے کہا۔"کیا عجیب آدمی ہے یہ! کبھی فلسفی کی طرح بات کرتا ہے اور کبھی پاگل کی طرح"۔

میں نے یہ بات اپنے دل ہی میں سوچی تھی اور اس نے میری طرف گھور کر دیکھا اور دھیمی آواز سے جس میں افسردگی پنہاں تھی کہا :

"ہاں میں پاگل ہوں لیکن پاگل بھی تو پناہ کے بغیر بالکل اجنبی اور غذا کے بغیر بھوکا رہے گا۔ کیونکہ انسان کا دل بالکل خالی ہو چکا ہے"۔

میں نے معذرت کرتے ہوئے کہا؛

میں اپنے عاقبت نا اندیشانہ خیال کی معافی مانگتا ہوں کیا آپ میری درخواست قبول کریں گے؟ چلئے اور میرے غریب خانہ پر قیام کیجئے۔"

میں تمہارے دروازے کو بھی ایک ہزار بار کھٹکھٹا چکا ہوں لیکن مجھے کوئی جواب نہ ملا"۔

اب مجھے یقین ہو گیا کہ یہ شخص پاگل ہے اور میں نے کہا :

اچھا! آپ میرے ساتھ چلیں"۔

اس نے آہستہ سے اپنا سر اٹھایا اور کہا :

اگر تم یہ جانتے کہ میں کون ہوں تو تم کبھی مجھے اپنے ہاں قیام کرنے کی دعوت نہ دیتے۔

میں نے کچھ خوفزدہ ہو کر پوچھا "تم کون ہو؟"

اچانک اس کی آواز میں اس سمندر کی سی گرج پیدا ہوئی جو طوفان کو

اپنے سینے پر اٹھائے ہو۔

اس نے کہا۔

"میں۔۔۔۔ میں انقلاب ہوں۔۔۔ اور جن چیزوں کو قومیں تہس نہس کر دیتی ہیں میں انہیں دوبارہ تعمیر کرتا ہوں۔۔۔ میں وہ طوفان ہوں جو قدیم ترین درختوں کو جڑ سے اکھیڑ دیتا ہوں

———— میں وہ ہوں جو زمین کے طول و عرض میں جنگ چھیڑتا ہوں اور امن سے دور رہتا ہوں۔ کیونکہ انسان مصیبت ہی میں شادماں رہتا ہے۔"

وہ کھڑا ہو گیا، آنسو اس کے رخساروں سے بہ نکلے تھے اور روشنی کا ہالہ اس کے گرد نمودار ہوا۔ اس نے اپنے ہاتھ پھیلا دیئے۔ میں نے اس کی ہتھیلیوں پر میخوں کے نشان دیکھے۔ میں بے تاب ہو کر اس کے سامنے دوزانو ہو گیا اور چلا کر کہا۔

"اے مسیح ناظری!۔۔۔۔"

اور اس نے دردناک لہجے میں کہا:

"یہ لوگ میری عظمت کے گیت گا رہے ہیں اور میری یاد کئی زبانوں سے مناتے چلے آرہے ہیں لیکن میری یہ حالت ہے کہ میں مشرق سے مغرب تک سرگرداں پھر رہا ہوں اور مجھے کوئی نہیں پہچانتا۔ لومڑیوں کے قیام کے لیے بل موجود ہیں، پرندے اپنے گھونسلوں میں آرام کر رہے ہیں۔ لیکن میرے لیے کوئی جائے پناہ نہیں۔"

اس وقت میں نے اپنی آنکھیں کھولیں اور سر اونچا کیا تو وہاں کچھ بھی نہیں تھا صرف رات کا سناٹا تھا اور ابد کی گہرائیوں کی سائیں سائیں !

میں نے سامنے کی طرف دیکھا ، ہجوم کے گیتوں کی آواز میرے کانوں میں پڑی اور میرے ضمیر سے آواز آئی ۔

"وہ طاقت جو دل کو ضرر پہنچنے سے محفوظ رکھتی ہے وہ ہے جو دل کو اپنی عظمت کے پاؤں پھیلانے سے باز رکھتی ہے ۔ گیت جو آواز سے پیدا ہوتا ہے شیریں ضرور ہوتا ہے ۔ لیکن دل کا گیت محض آسمانوں کی آواز ہے۔"

*****

لمحاتِ غم و اندوہ
کے
چند تفکّرات

لاکھوں انسانوں کی اذیتیں آتنہا کی روح فرسا درد کی طرح چمک رہی ہیں۔
اور اس معاشرے کے منہ میں کتنے ہی بوسیدہ اور کرم خوردہ دانت ہیں۔
لیکن یہ معاشرہ مستقل اور محتاط علاج سے انکار کر دیتا ہے اور اس کے بجائے
دانتوں کو بیرونی طرف سے چمکیلا بنا دیتا ہے یا ان میں کوئی چیز بھر کے سونے کے
خول چڑھا دیتا ہے جس سے ان دانتوں کی بوسیدگی تو چھپ جاتی ہے لیکن جو
مریض دن رات درد میں مبتلا ہو اس کی آنکھیں کیونکر فریب کھا سکتی ہیں۔

یہاں بہت سے معاشرتی ماہرین دندان ہیں جو دنیا کی بدیوں کی اعانت
کرتے ہیں۔ جو حسین سی چیزوں کو خلا میں بھر دیتے ہیں اور دکھ کے مارے بہت
سے ایسے بھی ہیں جو مصلحٖ، کے ارادے کے سامنے جھک جاتے ہیں اور
اپنی زوال پذیر قوتوں کو اور آمادہ زوال کر دیتے ہیں اور اس طرح اپنے
آپ کو موت کی بھیانک گہرائیوں میں پھینک دیتے ہیں۔

آج شام کے بوسیدہ اور کرم خوردہ دانت مکتبوں میں نظر آئیں گے
جہاں آج کل کے نوجوانوں کو کل کے رنج داندوہ کا سبق دیا جارہا ہے۔ یہ دانت
انصاف کی آماجگاہوں میں ملیں گے جہاں منصف قانون سے اس طرح کھیلتے
ہیں اور توڑتے موڑتے ہیں جس طرح شیر اپنے شکار سے کھیلتا ہے۔ ان
محلات میں چمکتے ہوئے دکھائی دیں گے۔ جہاں مکروفریب اور ریاکاری جلوہ فرما
ہے۔ ان کی بھیانک صورتیں غریبوں کی جھونپڑیوں میں عکس ریز ہوں گی جہاں خوف،
جہالت اور بزدلی کارفرما ہے۔

سیاسی ماہرین دندان لوگوں میں شہد ٹپکاتے ہیں اور بلند آواز سے
یہ کہتے ہیں کہ وہ قوم کی کمزوریوں کے خلاء کو بھر رہے ہیں۔ ان کے میٹھے گیتوں
میں بھاری بھرکم پتھروں کی آواز بھی گم ہو جاتی ہے لیکن ان کے گیت دلدل
میں رہنے والے مینڈک کی آواز سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتے۔

ان تہی مغز دنیا میں بہت سے مفکر اور مقاصد پرست لوگ موجود ہیں۔۔
اور ان کے خواب کس قدر دھندلے ہیں!

حسن جوانی کی ملکیت ہے لیکن شباب جس کے لیے یہ زمین استوار کی گئی ہے۔
سوائے خواب کے اور کچھ بھی نہیں۔۔۔۔ ایک شیریں خواب جس سے انسان
وقت گزر جانے پر بیدار ہوتا ہے۔

کیا وہ دن کبھی آئے گا جب اہل دانش شباب کے خوابوں کی شیرینی

اور آگاہی کی دلآویزی کو ایک نکتہ پر جمع کر سکیں گے؟ علیحدہ علیحدہ ان دونوں کی ہستی کچھ بھی نہیں۔

کیا اس دن کی کبھی نمود ہو گی جب فطرت انسان کی معلّم ہو گی۔ انسانیت زہد و ریاضت کا صحیفہ اور زندگی اس کا روزمرہ کا مکتب ہو گا۔

شباب کا مقصد مسرت جس میں جذبے کی فراوانی کی صلاحیت اور ذمہ داری کی نرم لہر موجود ہو۔ اس وقت تک پایۂ تکمیل تک پہنچ سکتا جب تک طلوع آفتاب سے پہلے آگاہی کی روشنی نمودار نہ ہو۔

بہت سے لوگ ایسے ہیں جو اپنی جوانی کے مردہ ایام پر زہر آلود الفاظ نفریں بھیجتے ہیں۔ بہت سی عورتیں ایسی ہیں جو اس شیرنی کی طرح خضب ناک ہو کر اپنے ماضی پر لعنت بھیجتی ہیں جس کے بچوں کو اس کی گود سے چھین لیا گیا ہو۔

بہت سے نوجوان مرد اور عورتیں اپنے سینوں کو مستقبل کی تلخ اور چبھتی ہوئی یادوں کا نشانہ بنا لیتے ہیں اور مسرتوں سے انقطاع کر کے اپنے دلوں کو تیز اور زہر آلود تیروں سے زخمی کرتے ہیں۔

بڑھاپا اس برف کی مانند ہے جو زمین کے سینے پر جگہ حاصل کرتی ہے۔ صداقت اور روشنی کے ذریعے اس سے جوانی کے بیج کو حرارت حاصل ہوتی ہے۔ یہ برف ان بیجوں کی حفاظت کرتی ہے۔ یہاں تک انسانی زندگی کے عظیم لمحات سامنے آ گئے ہیں اور زندگی کا صحیح ترین اور خالص شباب نئے رنگ میں بیدار ہوتا ہے۔

ہم اپنی روحانی بلندیوں کی بیداری کی جانب بہت آہستہ جا رہے

ہیں اور وہ سطح جو افلاک کے مانند لامحدود ہے۔ وہ ہماری مفاہمت کے وجود کا حسن ہے جو ہمارے عشق ومحبت سے پیدا ہوتا ہے۔

مجھے قسمت کم ظرف تہذیب جدید کی درد انگیز رد کے ذریعے فطرف کی سرسبز اور نرم گود سے چھین کر لے آئی اور انبوہ کثیر کے پاؤں تلے روندے جانے کے لیے پھینک دیا اور میں شہر کی اذیتوں کی آماجگاہ بن گیا۔

خدا کے بندے کو اس سے زیادہ سنگین سزا آج تک نہیں دی جا سکتی تھی۔ وہ جلاوطن جو زمین پر اُگنے والی گھاس کے ایک ایک پتے سے اس قدر محبت کرتا تھا کہ وفورِ جذبات سے اس کی رگ وپے میں لرزہ پیدا ہو جاتا تھا۔ آج شدید اذیتوں کا مرجع بن گیا۔ کسی مجرم کو آج تک اس طرح زندان کی تنہا کوٹھڑی میں بند نہیں کیا گیا تھا کیونکہ میری زندان کی دیواریں میرے دل کے گرد پہنچ کر اسے پاش پاش کرنے والی تھیں۔

سونے اور چاندی کی اینٹوں کی رعایت سے ہم دیہاتیوں سے امیر ہوں گے لیکن سچی زندگی کی وسعت اور تکمیل کے اعتبار سے وہ ہم سے بہت زیادہ دولت مند ہیں۔ ہم بہت کچھ بوتے ہیں لیکن کاٹتے کچھ بھی نہیں۔ وہ شاندار فیض وکرم حاصل کرتے ہیں جو خدا نے جفاکش لوگوں کے لیے وقف کر دیا ہے۔

ہم شہروں میں ہر ایک سودا مکر وفریب کی بنا پر کرتے ہیں اور وہ قدرت کی پیداوار کو دیانت اور طمانیت سے اکٹھا کرتے ہیں۔ ہماری نیندیں

گھبراہٹ اور کل کے عفریتوں سے اچاٹ ہوجاتی ہیں۔ وہ اس بچے کی طرح میٹھی نیند محو خواب ہوجاتے ہیں جو اپنی ماں کے سینے سے چمٹ گیا ہے۔ انہیں اس بات کا یقین ہے کہ قدرت اپنی نعمتوں سے انہیں ضرور سرفراز کرے گی۔

ہم منافعوں کے غلام ہیں اور اطمینان کے آقا ہیں۔ ہم زندگی کے جام سے تلخی یاس، خوف اور ماندگی کے گھونٹ پیتے ہیں اور وہ خدا کی نعمتوں کے آب حیات سے سیراب ہوتے ہیں۔

اے رب العزت! ہجوم کی ان پختہ اور بلند دیواروں کے پیچھے تو کیوں چھپ گیا ہے یہ تو محض بت اور تصویریں ہیں۔ ۔ ۔ میری مقید روح کی درد ناک آواز کو سُن! میرے پھٹنے والے دل کی دھڑکن کو بھی سُن!

اے رحیم! مجھ پر رحم کر اور اپنے گم کردہ راہ بچے کو دامن کوہ میں دوبارہ پناہ دے۔ ۔ ۔ وہی تمہارا مسکن ہے!!

*****

پردے کے پیچھے

راحیل آدھی رات کو بیدار ہوئی اور اس نے کھڑکی میں سے باہر آسمان کی طرف ایک غیر مرئی شے کو دیکھا۔

اس نے ایک آواز سنی جو زندگی کی سرگوشیوں سے زیادہ راحت انگیز تھی۔ اس کے ساتھ ہی درطۂ آب کی گریہ دازاری سے زیادہ اندوہناک۔

——— سفید پردوں کی سرسراہٹ سے زیادہ نرم و نازک۔

——— اور موجوں کے پیغام سے زیادہ عمیق ...!

——— اس میں امید اور بے اثری کی رو دوڑ رہی تھی،

——— اس میں مسرت اور مصیبت کے جذبات نمایاں تھے،

——— اس میں زندگی کی محبت اور موت کی آرزو دونوں چیزیں موجود تھیں۔

راحیل نے اپنی آنکھیں بند کر لیں اور آہ بھری اور دم واپسیں سے یہ کہا۔
"صبح وادی کے آخری کنارے تک پہنچ گئی ہے۔ ہمیں اب سورج کی طرف چلنا چاہیئے تاکہ وہاں ہم اس سے ملاقات کریں۔"
اس کے ہونٹ ایک دوسرے سے ذرا ہلے۔ روح کی گہرائیوں میں ایک گہرے زخم کی گونج پیدا ہوئی.... !
اس موقع پر پجاری اس کے نزدیک آیا، اس کا ہاتھ چھوا جو برف کی طرح ٹھنڈا تھا۔
اس نے خوف زدہ ہو کر اپنا ہاتھ راحیل کے دل پر رکھا۔ اس نے محسوس کیا کہ یہ زمانوں کی طرف غیر متحرک اور اس کے دل کے راز کی طرح خاموش ہے !
مقدس پجاری نے گہری مایوسی کے ساتھ اپنا سر جھکا لیا، اس کے ہونٹ کانپنے لگے گویا کوئی مقدس لفظ کہنے کے لیے بے تاب ہے جو رات کی روحیں دور دراز اور سنسان وادیوں میں دہرایا کرتی ہیں۔
پجاری نے راحیل کے دونوں ہاتھ اس کے سینے پر باندھ دیئے اور پھر اس شخص کی طرف دیکھا جو کمرے کے تاریک کونے میں بیٹھا تھا۔ پجاری نے کہا۔
"تمہاری محبوبہ روشنی کے بہت بڑے حلقے میں داخل ہو گئی ہے۔ میرے بھائی! ———— میرے نزدیک آجاؤ اور میرے ساتھ مل کر گھٹنوں کے بل دعا کرو۔"
غم زدہ خاوند نے اپنا سر اٹھایا اور اس کی آنکھیں بہت دور ان دیکھی چیز کو دیکھ رہی تھیں۔ اس کے خدوخال میں ایک تبدیلی سی پیدا ہوئی۔ گویا اس

نے ناشناس خدا کی روح میں ایک ادراک پا لیا ہے۔
اس نے اپنی شخصیت کے باقی ماندہ پادریوں کو اکٹھا کیا اور اپنی جگہ سے بڑے ادب سے اٹھ کر اپنی بیوی کے بستر پر پہنچا۔ وہ پجاری کے ساتھ لاش کے سامنے دوزانو ہو گیا جو سینے، صلیب کا نشان بناتے ہوئے ماتمی دعا میں مصروف تھا۔
پادری نے اپنا ہاتھ غمگین خاوند کے کاندھے پر رکھتے ہوئے کہا۔
"میرے بھائی تم دوسرے کمرے میں چلے جاؤ، تمہیں آرام کی بے حد ضرورت ہے۔"
خاوند نے حکم کی تعمیل کی اور خاموشی سے اٹھ کر دوسرے کمرے میں چلا گیا۔ وہاں اس نے اپنے تھکے ہوئے جسم کو ایک چارپائی پر گرا دیا اور لیٹتے ہی وہ اس طرح محوِ خواب ہو گیا جیسے کوئی بچہ اپنی ماں کی گود میں سو جاتا ہے۔

پجاری کمرے کے وسط میں بت بنا کھڑا رہا اور ایک عجیب و غریب آویزش اس کے سینے میں برپا تھی۔
اور اس نے پہلے تو اس نوجوان عورت کے ٹھنڈے جسم کی طرف دیکھا پھر دروازے کے پردے میں سے اس نے خاوند کو دیکھا جو نیند کی آغوش میں مدہوش پڑا تھا.....!
ایک گھنٹہ گزر گیا اور یہ ساعت کئی زمانوں سے زیادہ طویل اور موت سے زیادہ ہولناک تھی... اور پجاری ابھی تک ان دو مجبور روحوں کا دربان بن کر کھڑا تھا ——

—— ایک روح اس کھیت کی طرح محوِ خواب تھی جو خزاں کے الیہ کے

بعد بہار کا منتظر ہو۔

اور دوسری روح ابد کی نیند سو چکی تھی۔

پھر پجاری نوجوان عورت کی لاش کے قریب آیا اور اس طرح دو زانو ہوا گو معبد میں بڑے بت کے سامنے جھک گیا ہے۔ اس نے یخ ہاتھوں کو اپنے ہاتھوں میں لیا اور کانپتے ہوئے ہونٹوں سے ان پر بوسہ دیا۔ اور پھر اس نے حسین چہرے کی طرف دیکھا جس پر موت کا نرم گداز پردہ چھایا ہوا تھا۔

اس کی آوازیں رات کی سی خاموشی اور بڑے شگاف کی طرح گہرائی تھی۔ لیکن اس کی یہ آواز انسان کی امیدوں کی طرح لرز رہی تھی۔

اس نے روتے ہوئے کہا۔

"اے راحیل! اے میری روح کی دلہن! میری آواز سن، آخر کار میری بھی زبان کھل گئی۔ موت نے میرے ہونٹوں کو جنبش دی ہے۔ . . . میں وہ راز بے نقاب کرنے لگا ہوں جو میری زندگی سے بھی زیادہ قیمتی تھا۔

درد سے میرے زخموں کے تمام ٹانکے ٹوٹ گئے اور میں اب وہ راز بیان کرنے لگا ہوں جو اس درد سے بھی زیادہ دردناک ہے۔

اے روح پاک! تم تو اس وقت آسمان اور زمین کے درمیان سفر کر رہی ہے میری روح کی چیخ سن!

اس جوان کی آواز بھی سن جو کھیتوں میں تیرا منتظر رہتا تھا اور تیرے لازوال حسن سے مرعوب ہو کر درختوں کی اوٹ میں کھڑا رہتا تھا۔

اس پجاری کی آواز سن جو صرف اس وقت تم سے ندامت کے احساس کے

بغیر تم سے بات کر رہا ہے جب کہ تم خدا کے شہر میں پہنچ چکی ہو۔
میں نے تیری زندگی میں اپنا راز سینے میں دبا کر محبت کی قوت کو ثابت کر دیا ہے۔"

اس کے بعد پجاری جھک گیا اور اپنی روح کے سارے دریچے کھول کر خوابیدہ حسن کی پیشانی آنکھوں اور گلے پر تین طویل بوسے ثبت کر دیئے۔
ان تین بوسوں میں اس نے اپنی زندگی کے کئی برسوں کا راز درد اور اندوہ الٹ کر رکھ دیا۔۔۔۔!

پھر اچانک وہ پیچھے ہٹ گیا اور خزاں کے پتے کی طرح کانپتا ہوا ایک کونے میں گر پڑا۔ گویا اس عورت کے ٹھنڈے جسم نے اس کے اندر پشیمانی کا جذبہ ابھار دیا دو زانو ہو کر اس نے اپنے چہرے کو دونوں ہاتھوں سے ڈھانپ لیا اور وہ نرم آواز میں سرگوشی کرنے لگا۔

"خدا۔۔۔ میرا گناہ معاف کر دے، میری کمزوری پر نظر نہ رکھ، تم جانتے ہی ہو یہ راز بے نقاب کرنے کے بعد میں خواہش کا مقابلہ نہیں کر سکتا ———
سات برس تک یہ راز میں نے اپنے سینے میں چھپائے رکھا اور صرف موت ہی نے مجھ سے یہ راز میرے سینے سے الگ کر دیا۔

اے خدا! میری امداد کرنا کہ میں ان خوفناک لیکن حسین یادوں کو بھلا سکوں جو زندگی کے لیے تو ایک رس پیدا کرتی ہیں۔ لیکن تیرے نزدیک وہ ایک تلخی کا ابھار ہیں۔

اے آقا! مجھے معاف کر دیجیے، اے آقا! میری کمزوری کو بھی معاف

کر دینا۔
اس نوجوان عورت کی لاش کی طرف دیکھے بغیر پجاری رات بھر اپنے
دردناک جذبات کا اظہار کرتا رہا۔
نور کا تڑکا ہوا اور دو بے حس و حرکت تصویروں پر گلابی سا پردہ
نظر آنے لگا۔
ایک تصویر میں مذہب اور محبت کی جنگ کا نقشہ نظر آ رہا تھا
اور دوسری تصویر پر زندگی اور موت کا اطمنیان برس رہا تھا...

*****